جامعہ عربیہ کاشف العلوم اودگیرو

خانقاہِ چشتیہ صابریہ کا اصلاحی و دعوتی ترجمان

سہ ماہی

صدائے قطبِ دکن حیدرآباد

اکتوبر، نومبر، دسمبر سنہ ۲۰۲۳ء

سرپرست

فریدِ وقت جانشینِ قطبِ دکن

حضرت مولانا شاہ محمد نور الحق قریشی قاسمی دامت برکاتہم

مدیر

محمد فضیل قریشی

قطبِ دکن اکیڈمی حیدرآباد

خانقاہِ چشتیہ صابریہ یوسف گوڑہ، حیدرآباد

فہرست

مضامین	اسمائے محررین	صفحہ نمبر
اداریہ: ایمانیات (قسط نمبر:۲)	محمد فضیل قریشی	۳
درسِ قرآن	مولانا محمد ضیاء الحق قریشی مفتاحی	۱۳
درسِ حدیث	مولانا محمد زبیر قریشی مفتاحی	۱۶
سیرت (قسط نمبر:۶)	حافظ محمد سفیان قریشی	۲۰
حیات قطبِ دکن (قسط نمبر:۶)	مولانا سعید الحق صاحب قریشی	۲۸
عورتوں سے مصافحہ کرنے کی ممانعت	مولانا شاہ محمد عبد الغفور قریشی نور اللہ مرقدہٗ	۳۲
عورت: مغربی فضلاء اور اہلِ انصاف کی نظر میں	مفکر اسلام مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ	۳۵
مذہب اور اُس کی ضرورت	مولانا مناظر احسن گیلانی	۴۳
سلطان ٹیپو شہید کی مذہبی اور مسلکی رواداری	حافظ نجیب احمد بانیکار	۵۴
حضرت حزقیل علیہ السلام	محمد اُسید قریشی	۶۰
احوال وکوائفِ جامعہ	مولانا فاروق صاحب مفتاحی	۶۳

❑❖❑

اداریہ قسط (۲)

ایمانیات

از: رئیس المحدثین مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
تسہیل: محمد فضیل قریشی

دہریہ اور منکرینِ خدا کا رَد

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے لے کر آج تک دنیا کے ہر حصہ اور خطہ میں تقریباً سب کے سب خدا تعالیٰ کے قائل رہے اور دنیا کے تمام مذاہب، مِلل اور اَدیان سب اِس پر متفق ہیں کہ خدائے برحق موجود ہے، اسی نے اپنی قدرت اور ارادہ سے اِس عالم کو پیدا کیا ہے۔

مادہ پرستوں کا گروہ جن کا دوسرا نام منکرینِ مذہب ہے، وہ نہایت بے باکی کے ساتھ خدا کے وجود کا منکر ہے اور یہ کہتا ہے کہ خدا کا کوئی واقعی وجود نہیں، خدا محض ایک خیالی اور فرضی چیز ہے، جس کو انسانی دماغ نے طبیعت کے تقاضے سے ڈر کر گھڑ لیا ہے اور تمام اعمال وافعال، تمام اقوال واحوال؛ بلکہ تمام کائنات میں اُس کو پلاننگ کرنے والا اور تبدیلی پیدا کرنے والا سمجھ کر اپنے وجود کی باگ ڈور اُس کے ہاتھ میں دے دی اور بے وجہ اپنی اُمید وخواہش کو اُس کے ساتھ وابستہ کر لیا اور اُس کو اپنا معبود سمجھ لیا، مادہ پرست کہتے ہیں کہ مذاہب والوں کو ایک طبیعت اور فطرت سے اُوپر ہستی ماننے کی کوئی ضرورت بھی نہیں، یہ لوگ عالَم کی تبدیلی وحادثات سے گھبرا کر اور ڈر کر ایک فرضی خدا کے قائل ہو گئے، حوادث اور تغیرات کے لیے خدا کو ماننے کی کوئی ضرورت نہیں، مادّہ بھی ہمیشہ سے ہے اور اُس کی حرکت بھی ہمیشہ سے ہے۔

مادہ سے مراد وہ نہایت چھوٹے چھوٹے اجزاء اور ذرّات ہیں، جن کو علمی اصطلاح میں اجزاءِ دی مقراطیسہ کہتے ہیں اور اُنہی ذرّات کو اثیر (یعنی ایتھر سے) بھی تعبیر کرتے ہیں، رفتہ رفتہ اُن اجزاء میں جوڑ اور ملاوٹ پیدا ہوئی، اُس سے یہ تمام عالم پیدا ہو گیا۔

نئی تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی تمام آسمانی اور زمینی چیزوں کی اصل دو چیزیں ہیں: مادہ اور اُس کی حرکت، اور دونوں ہمیشہ سے ہمیشہ تک رہنے والی اور ایک دوسرے کے ساتھ ایک ساتھ ہمیشہ پائی جانے والی ہیں، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے، جس طرح معلول اپنی علّت سے بے اختیار بن جاتا ہے، اسی طرح یہ تمام آسمان، زمین، کواکب، سیارات، اشجار، نباتات مادہ اور اس کی حرکت سے خود بخود بن گئے؛ لہٰذا ہم کو خدا ماننے کی ضرورت نہیں اور نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ اپنی گردن میں مذہبی طوق وزنجیریں پھانسیں اور بوجھل بنیں۔ ہمیں خدا کی بالکل ضرورت نہیں؛ بلکہ مادہ اور اس کی قوانینِ فطریہ اس عالم کی ہستی اور بقاء کے کفیل اور ذمہ دار ہیں۔

یہ ہے خدا کا انکار کرنے والوں کی دلیل، جس کو آپ نے سن لیا، جس میں سوائے فرضی، خیالی، تخمینی اور بے ربط مقدمات کے کچھ بھی نہیں، سب متکبرانہ اور مغرورانہ دعوے ہیں، جن پر کوئی دلیل نہیں۔

ہم خدا پرست یہ کہتے ہیں کہ مادہ پرستوں نے اپنے گمان اور خیال میں اِن کائناتِ آسمانی اور زمینی کا ایک خاص سبب اپنے دماغ سے گھڑ کر کے پیش کر دیا، جس پر ایک ذرّہ کے برابر بھی کوئی دلیل اُن کے پاس نہیں؛ لیکن جس سبب کی ہم کو تلاش تھی، اُس میں ہم کو کامیابی نہیں ہوئی، ہمیں تلاش اُس کی ہے کہ یہ کائنات جو عجیب وغریب تناسب اور ترتیب پر مشتمل ہے اور جس کا ہر ہر خزانہ رازوں وحکمتوں سے بھرا ہے اور ماہرینِ علمِ افلاک اور علمِ طبقات الارض اور ماہرینِ علمِ حیوانات وعلمِ نباتات اُن کی باریکیاں اور رازوں کے جاننے سے بے بس اور دنیا دنیا بھٹکتی ہے۔ یہ کائنات کس طرح وجود میں آئی اور اِس کے وجود کا سبب کیا ہے؟ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ کائنات کا یہ منظّم اور مرتّب نظام خود اپنے اندر سے یہ

بول رہا ہے کہ میرا بنانے والا اور میرا چلانے والا نہایت ہی علم وحکمت اور نہایت ہی قوت اور قدرت والا ہے اور تمام بلند و بالا صفات سے متصف ہے۔

مادہ پرستوں کا گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ تمام عالم مادہ اور اُس کے نہ دکھائی دینے والے ذرّات کی اتفاقی و بے بس حرکتوں کا نتیجہ ہے اور مادہ پرست اس کے قائل ہیں کہ مادہ بالکل اندھا، بہرا، گونگا اور بے حس و بے شعور ہے، نہ دیکھتا ہے اور نہ سنتا ہے اور نہ بولتا ہے اور کوئی کام اُس کے ارادے واختیار سے نہیں اور نہ اس کو کسی درجہ بندی وترتیب کا علم ہے اور نہ اُس میں اُس کی طاقت کو دخل ہے اور نہ یہ مادہ کسی قاعدہ کو جانتا ہے، عالم کی یہ تمام عجیب وغریب کائنات محض اتفاق سے وجود میں آ گئی۔ پس مادہ پرستوں نے اِس خاص ترتیب سے چلنے والے مناسب نظامِ کائنات کا سبب مادہ کو قرار دیا، گویا کہ ایک اندھے اور بہرے اور بے شعور اور بے حس مادہ کو اپنا خدا مان لیا اور سرِ تسلیم اُس کے سامنے خم کر دیا؛ بلکہ اُس کے قدموں پر ڈال دیا، اگرچہ نام اُس کا خدا نہیں رکھا۔

خدا پرست یہ کہتے ہیں کہ اس کائنات کو مادہ اور اُس کی اتفاقی و بے بس حرکات کا نتیجہ قرار دینا ایسا ہی ہے۔

خوش قلم کتاب کی مثال

جیسے کسی نہایت خوش خط تحریر کی کتاب کے نقوش کو دیکھ کر یہ کہنا کہ یہ کتاب کسی ماہر خوش نویس کی لکھی ہوئی نہیں؛ بلکہ یہ تمام کتابی نقوش (جو عجیب وغریب علوم ومعارف پر مشتمل ہیں) مادۂ سیاہی اور اُس کی اتفاقی حرکت کا نتیجہ ہیں۔

شاہی محل کی مثال

یا کسی محلِ شاہی کو دیکھ کر جس میں طرح طرح کے کمالات اور بالا خانے اور قسم قسم کے فرش اور قالین بچھے ہوئے ہوں اور حوضیں وفوارے اُس میں جاری ہوں، کوئی یہ کہنے

لگے کہ یہ محل ماہر انجینئروں اور کاری گروں کی کاری گری نہیں اور نہ یہ محل کسی صلاحیت والے مزدور اور کلا کار کا بنایا ہوا ہے؛ بلکہ اتفاق سے ایسی ہَوا چلی کہ مٹی کے مادّہ اور آبی مادّہ میں یعنی پانی کے الگ الگ ذرّات میں حرکت پیدا ہوئی، جس سے یہ کمرے، یہ جنگلے، یہ برآمدے، یہ راستے، یہ حوضیں اور یہ نہریں خودبخود بن گئے اور یہ قالین اور یہ کرسیاں خودبخود اُڑ کر یہاں سج گئیں، کیا جس شخص کے دماغ میں کچھ بھی عقل ہے وہ اِس بکواس کو سننے کے بعد اُس کو دیوانہ نہ سمجھے گا؟

گھڑی کی مثال

جب ہم کسی گھڑی کو دیکھتے ہیں جس سے وقت معلوم ہوتا ہے تو اس کے عجیب وغریب وقت کی پابندی کے ساتھ گھومنے، اچھے انداز میں چلنے اور کُل پُرزوں کی حرکت کو دیکھ کر یقین کر لیتے ہیں کہ اِس کا بنانے والا اعداد کے علم کا بڑا ہی ماہر ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ اس گھڑی کا بنانے والا ایک ایسا شخص ہے کہ جو اندھا، بہرا، ناسمجھ، بےخبر اور عددوں کے علم اور گھڑی بنانے کے اُصول سے بالکل ناواقف ہے (یعنی مادہ) تو کوئی ادنیٰ عقل والا بھی اُس کی تصدیق کے لیے تیار نہ ہوگا۔

یا مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ یہ گھڑی کسی کاری گر کی بنائی ہوئی نہیں؛ بلکہ یہ تمام پُرزے مادہ اور اُس کی حرکت سے خودبخود اِس خاص شکل پر بن گئے اور پھر اِس کے بعد جب اُن پُرزوں میں دوبارہ حرکت ہوئی تو یہ خودبخود جُڑ گئے اور اپنی اپنی جگہ پر لگ کر گھڑی خودبخود تیار ہوگئی اور خودبخود چلنے لگی، تو سننے والے اِس محقق سائنس دان کی اِس تقریر دلپذیر کو سن کر قہقہہ لگائیں گے۔

کون عقلمند اس کو قبول کر سکتا ہے کہ دنیا کی یہ عجیب وغریب تبدیلیاں اور دکھائی دینے والی چیزیں ایک بےجان، بےحِس و بےشعور مادّہ کی ہمیشہ ہونے والی حرکات کے ثمرات اور نتائج ہیں۔ آپ سے ہمارا سوال یہ ہے کہ یہ تبدیلیاں اور نظر آنے والی تمام کے تمام

آپ کے نزدیک ہونے والی ہیں۔(جیسا کہ علم طبقات الارض اور علم طبقات الافلاک کے ماہرین نے اِس کی تصریح کی ہے)اِس لیے کہ پہلے نہ تھے اور بعد میں پیدا ہوئے اور یہی حقیقت حدوث (ختم ہونے) کی ہے، پس اگر اِن ختم ہونے والی تبدیلیوں کی وجہ ہمیشہ سے ہمیشہ تک اور اِس کی حرکت ہے تو پھر یہ تمام شکلیں اور تبدیلیاں بھی ہمیشہ تک رہنے والی ہونی چاہئیں؛ اِس لیے کہ جب کوئی وجہ ہمیشہ رہنے والی ہے تو اُس کا اثر بھی ہمیشہ رہنے والا ہونا چاہیے۔ہاں! اگر یہ صورت ہوتی کہ مادہ اپنے ارادہ اور اختیار سے ان تبدیلیوں کو ایجاد کرنے والا ہوتا تو یہ کہہ سکتے تھے کہ وہ ذات جس کا وجود ضروری ہے اور وہ ذات جو ہمیشہ سے ہمیشہ تک رہنے والی ہے اُس کے ارادہ سے جو چیز پیدا ہوگی وہ اُس کے ارادہ اور اختیار کے تابع ہوگی؛ اِس لیے وہ فنا ہوگی اور اُس کا بنانے والا فنا نہ ہوگا؛ لیکن آپ مادّہ میں کسی قسم کی زندگی، شعور اور ارادہ کے قائل نہیں۔اور اگر آپ یہ کہیں کہ ابھی تک مادہ میں خاص صلاحیت پیدا نہ ہوئی تھی؛ اِس لیے یہ انواع واقسام اب تک ظہور اور وجود میں نہ آئے تو ہم یہ سوال کریں گے کہ اِس طاقت کی وجہ بھی تو وہی ہمیشہ رہنے والا مادّہ اور اُس کی ہمیشہ رہنے والی حرکت ہے؛ لہٰذا یہ صلاحیت بھی ختم نہ ہونے والی ہونی چاہیے؛ اِس لیے کہ اِس کی علّت میں ہمیشگی ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ سینکڑوں اور ہزاروں سال گزر گئے؛ مگر اِس خاص نوع کے پیدا ہونے کی طاقت اور صلاحیت مادہ کے ذرّات میں نہ پیدا ہوئی۔

غرض یہ کہ اِن فرضی اور تخمینی باتوں سے عقلِ سلیم اِس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں کہ یہ بے شعور اور بے جان مادہ ہر وقت عالم کے بے شمار عجیب وغریب انواع واقسام کو اِس عقل کو حیران کرنے والے نظم وضبط و پائیداری کے ساتھ پیدا کرتا رہتا ہے اور بے انتہا زمانہ تک اسی طرح ختم نہ ہونے والا سلسلہ چلتا جائے گا۔

مکان کی مثال

ایک مکان کو دیکھ کر بغیر غور وفکر کے اِس بات کا یقین آجاتا ہے کہ اُس کا بنانے والا

کوئی ضرور ہے تو کیا اتنا بڑا امکان جس کا فرش زمین ہو اور چھت اُس کی آسمان ہو، اُس کو دیکھ کر یہ یقین نہ آئے گا کہ اِس کا بنانے والا نہایت طاقت ور، جاننے والا، باخبر اور صاحبِ اختیار ہے۔

قدرت کا نظام ہے بتاتا
تُو صانع و منتظم ہے سب کا

عارف جامی فرماتے ہیں:

خانہ بے صنع خانہ ساز کہ دید
نقش بے دست خامہ نقاش زن کہ شنید

ترجمہ: کسی مکان کو بغیر بنانے والے کے بنتا نہیں دیکھا، کسی شکل کو بغیر تصویر بنانے والے کے نقش ہوتا نہیں دیکھا۔

رہا یہ سوال کہ وہ بنانے والا کون ہے اور کہاں ہے؟ جب تک ہم اس کو نہ دیکھ لیں کیسے مانیں؟ سو یہ سوال احمقانہ اور جاہلانہ ہے، ماننے کے لیے دیکھنا شرط نہیں، عقل اور روح کے وجود کو آپ بھی مانتے ہیں؛ مگر آپ نے؛ بلکہ کسی نے بھی آج تک عقل اور روح کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، نہ دیکھنا انکار کی دلیل نہیں بن سکتا، عقل پردہ کے پیچھے سے حکم دیتی ہے اور لوگ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ جب تک ہم عقل کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لیں گے اُس وقت تک عقل کا کوئی حکم نہیں مانیں گے؛ نیز سائنس دان یہ بتلائیں کہ اُنہوں نے مادہ، اُس کے اجزاء اور اُس کی حرکت کا کب مشاہدہ کیا ہے؟ نہ پہلے کیا ہے اور نہ آئندہ کرسکیں گے۔ دعویٰ تو یہ تھا کہ ہم جب تک کسی چیز کا مشاہدہ نہ کرلیں اُس وقت تک اُس چیز کو نہیں مانتے، آپ کا وہ قاعدہ کہاں گیا کہ جس کی بنا پر آپ خدا کا انکار کررہے تھے، مادہ پرستوں نے اس قسم کے قواعد عالمِ آخرت کی چیزوں کے نہ ماننے کے لیے بنا رکھے ہیں اور دلیل اُن کے پاس کچھ بھی نہیں، عارف رومی قدس اللہ سرہٗ السامی فرماتے ہیں:

دست پنہاں و قلم بیں خط گزار ❖ اسپ در جولان ناپیدا سوار
پس یقین در عقل ہر داننده است ❖ ایں کہ با جنبده جنباننده است
گر تو آں را می نہ بینی در نظر ❖ فہم کن اما باظہار اثر
تن بجاں جنبد نمی بینی تُو جاں ❖ لیک از جنبیدن تن جان بداں

ترجمہ: پوشیدہ ہاتھ اور آشکار اقلم لکھتا ہے، گھوڑا میدان میں بغیر سوار کے (دوڑ لگاتا ہے)۔

ہر جاننے والے کے ذہن میں یہ۔۔۔ ہے کہ ہر ملنے والے کے ساتھ کوئی ہلانے والا ہے۔

اگر تُو اُس کو دیکھتا ہے ظاہر نظر سے تو اثر کے ظاہر کرنے سے ہر حال سمجھ سکتا۔

جسم جان سے حرکت کرتا ہے تو جان کو نہیں دیکھتا؛ لیکن جسم کے حرکت کرنے سے جان کو پہچان لیتا ہے۔

جو لوگ محسوسات اور مشاہدات کے گرفتار ہیں اور نظر و فکر کے عادی نہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی کوئی چیز بغیر کسی چیز کے پیدا نہیں ہوسکتی، جس طرح ایک انسان دوسرے انسان سے اور ایک حیوان دوسرے حیوان سے پیدا ہوتا ہے، اِسی طرح یہ عالَم بھی مادہ سے پیدا ہوا ہے، بالکل نہ ہونے کی شکل سے وجود میں نہیں آیا۔

یہ خیال بالکل غلط ہے، اُن لوگوں نے خدا کی قدرت کو بندہ کی قدرت پر قیاس کیا کہ جس طرح بڑھئی اور کمہار بغیر تختہ اور مٹی کے تخت اور کوزہ نہیں بنا سکتا، اِسی طرح معاذ اللہ! خدا بھی بغیر مادہ کے عالَم کو نہیں بنا سکتا؛ حالاں کہ یہ لوگ اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عالم کی تبدیل ہونے والی چیزیں یعنی صورتیں، خطوط، نقش و نگار، تمام اَعراض اور کیفیات کسی چیز (مادہ) سے پیدا نہیں ہوئیں؛ بلکہ بالکل نہ ہونے کی حالت سے وجود میں آئی ہیں؛ چنانچہ جب دوسرے کے سہارے باقی رہنے والی چیزیں اور کیفیات بندہ کی قدرت سے بغیر مادہ کے نہ ہونے کی حالت سے ہونے کی شکل میں آسکتے ہیں تو اپنے بَل بُوتے پر قائم

رہنے والی چیزیں اور اجسام خدائے واحد کی ہمیشہ رہنے والی طاقت سے بغیر مادہ کے کچھ نہ ہونے کی حالت سے ہونے کی حالت میں کیوں نہیں آسکتے؟

معلوم ہوا کہ یہ خیال کہ موجود؛ موجود ہی سے پیدا ہوسکتا ہے، خیال باطل ہے؛ اِس لیے کہ تکوین، ایجاد اور ابداع (یہ سب ہم معنیٰ الفاظ ہیں) اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے اور ابداع کے معنیٰ: ایجاد الشئ لا من شئ کے ہیں، یعنی کسی چیز کو بغیر کسی چیز (مادہ) کے پیدا کرنے کے ہیں، موجود سے موجود کو نکالنے کا نام ابداع نہیں اِسی طرح۔ ایجاد کے معنیٰ وجود عطا کرنے کے ہیں اور وجود جو موجود نہ ہو اُسی ہی کو عطا کیا جاتا ہے، موجود کو وجود عطا کرنا بے کار ہے اور دو موجود کو ملا کر کوئی چیز بنانا اُس کا نام ترکیب ہے، لغت اور عرف میں اُس کو ایجاد نہیں کہتے۔

اس مسئلہ کی پوری تفصیل ''علم الکلام'' مصنفہ ناچیز (مولانا ادریس کاندھلویؒ) میں ملاحظہ فرمائیں، ان شاء اللہ تعالیٰ اطمینان ہوجائے گا۔

حضرت مولانا شاہ سیّد محمد انور کشمیری قدس اللہ سرہٗ سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

مجموعۂ کون بود در کتم عدم
از حرف کون آورد بایں دَیر قدم
فعلی است کہ بے مادہ قدرت او کرد
کز ضرب وجودے بعدم نیست قدم

ترجمہ: تمام موجودات غیر موجود کے پردے میں تھے، خدا کے ہوجا کہہ دینے سے اِس شکل میں وجود پذیر ہوئے۔ خدا تعالیو کا یہ ایک فعل ہے جو بغیر مادہ کے اُس کی قدرت سے وجود میں آیا، جیسے: وجود کا عدم سے تعلق پیدا کرنے سے خالی ہونے والی شئ ہی ہوگی نہ کہ باقی رہنے والی۔

یہ تمام عالَم پہلے کچھ نہیں تھا، صرف حرفِ کن سے اِس بُت خانۂ دنیا میں اِس نے قدم

رکھا ہے، یہ خداوندِ قدوس کا ایک فعل ہے جو بغیر مادہ کے اُس دستِ قدرت سے ظاہر ہوا ہے؛ اِس لیے کہ وجود کو عدم میں ضرب دینے سے حاصلِ ضرب کے ہمیشہ رہنے والا نہیں نکل سکتا؛ بلکہ فانی ہی نکلے گا یا اس طرح کہیے کہ جب وہ چیز جس کا وجود ضروری نہ ہو؛ بلکہ ممکن ہو، اُس کے ذاتی طور پر نہ ہونے کا تعلق اُس ذات کی ہمیشگی سے کریں جس کا وجود ضروری ہے، یعنی کسی کے دم پر قائم نہیں ہے، یا یہ کہیں کہ پہلے کا دوسرے سے تعلق اور ربط پیدا کریں تو حاصلِ ضرب یا نتیجۂ تعلق سوائے وقت کے ساتھ ساتھ فنا ہونے کے اور کچھ نہیں نکلے گا۔

منکرینِ خدا کے مقابلہ میں علمائے ربانیین کی تین حکایتیں

حکایت(۱): ایک مرتبہ دہریہ (منکرینِ خدا) کا ایک گروہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں قتل کے ارادہ سے حاضر ہوا۔ امامِ اعظمؒ نے فرمایا: تم ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو کہ جو یہ کہے کہ مَیں نے دریا میں سامان سے بھری ہوئی ایک کشتی دیکھی ہے، جو اِس کنارے سے خود بخود سامان لے جاتی ہے اور دوسرے کنارہ پر لے جا کر اُتار دیتی ہے اور دریا کی موجوں کو چیرتی ہوئی سیدھی نکل جاتی ہے اور کوئی ملاح اُس کے ساتھ نہیں، خود بخود سامان اُس میں لَد جاتا ہے اور خود بخود اُتر جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ بات تو ایسی خلافِ عقل ہے کہ کوئی عاقل اِس کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ امامِ اعظمؒ نے فرمایا: افسوس تمہاری عقلوں پر، جب ایک کشتی بغیر ملاح کے نہیں چل سکتی تو سارے عالم کی کشتی بغیر ملاح کے کیسے چل سکتی ہے؟ تمام لوگ یہ استدلال سُن کر دَنگ رہ گئے اور سب کے سب تائب ہوکر آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوگئے۔

دہریؔ(۱) نے کیا دہر(۲) سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

(۱) خدا کو نہ ماننے والا۔

(۲) زمانہ۔

حکایت(۲): امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے دنیا کے بنانے والے کی دلیل پوچھی تو یہ فرمایا کہ: آدمی کا چہرہ دیکھو کتنا چھوٹا ہوتا ہے، ہر آدمی کے چہرہ میں آنکھ، ناک، کان، زبان، رخسار اور ہونٹ وغیرہ وغیرہ سب چیزیں موجود ہیں؛ مگر باوجود اِس کے کسی ایک کی بھی شکل وصورت دوسرے سے نہیں ملتی، کسی کی آواز دوسرے کی آواز سے نہیں ملتی، کسی کی چال وڈھال دوسرے سے نہیں ملتی، خلاصہ یہ ہے کہ شکلوں وصورتوں کا الگ الگ ہونا، آوازوں ولہجوں کا اور اعضاء وجوارح کا مختلف ہونا یہ خدا کی کاری گری ہے، جس نے ہر ایک کو ایک خاص شکل اور صورت عنایت فرمائی کہ جو دوسرے میں نہیں پائی جاتی، کسی بے شعور مادہ اور بے حس شے کی کاری گری نہیں۔

حکایت(۳): امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی دہریہ نے کائنات کے بنانے والے کی دلیل پوچھی تو فرمایا کہ: تُوت کے پتوں کو دیکھو کہ سب کا رنگ، مزہ، بُو، طبیعت اور خاصیت ایک ہے؛ مگر جب اُس پتے کو ابریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو ریشم نکلتا ہے، جب اُس کو شہد کی مکھی کھاتی ہے تو شہد نکلتا ہے، جب اُس کو بکری کھاتی ہے تو مینگنی بن کر نکلتی ہے اور جب اُس کو تاتاری ہرن کھاتا ہے تو مشک بن کر نکلتا ہے؛ حالاں کہ شئے ایک ہی ہے، معلوم ہوا کہ یہ اختلاف اور تبدیلیاں کسی جاننے والے اور زبردست طاقت والے کی کاری گری ہے، مادہ اور طبیعت کا اثر نہیں؛ ورنہ مادہ سب کا ایک ہی ہے۔

(جاری.....)

❑❖❑

سلسلہ وار (ماخوذ از: ہدایت القرآن)

درسِ قرآن

از قلم:
مولانا محمد ضیاء الحق قریشی مفتاحی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

﴿اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ ؕ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الۡاَبۡتَرُ ؕ﴾

(سورۂ کوثر، پارہ: ۳۰)

ترجمہ: بلاشبہ ہم نے آپ (ﷺ) کو بڑی خوبی عطا فرمائی ہے، پس آپ (ﷺ) اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی دیں، بلاشبہ آپ (ﷺ) کا بدخواہ ہی دُم کٹا ہے۔

تفسیر: اَلْکَوْثَرَ: مبالغہ کا صیغہ ہے، اِس کے معنیٰ ہیں: خیرِ کثیر، بہت خوبی، فعل کَثُرَ سے بنا ہے، جس کے معنیٰ ہیں: زیادہ ہونا۔ اور اِس سورت میں کامیاب ہونے والوں کا ذکر ہے، اور وہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کی برکت سے آپ ﷺ کی نیک امت ہے، ان کے لیے دنیا میں بھی سرخ رُوئی ہے، قیامت کے دن بھی سربلندی ہے اور آخرت میں بھی جنت ہے، ہر جگہ خیر ہی خیر ہے۔

جاننا چاہیے کہ آیت میں ﴿اَلْکَوْثَرَ﴾ ہے، حوض کی تخصیص نہیں، پس آیت عام ہے، اور تفسیر کا قاعدہ ہے: ''اعتبار نص کے الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے''، پس حوضِ کوثر آیت کا ایک فرد ہے، آیت اِس کے ساتھ خاص نہیں۔

اورحوضِ کوثر درحقیقت جنت میں ہے، وہاں سے میدانِ حشر میں بھی لائی جائے گی اوراس کا ثبوت تقریباً متواتر حدیثوں سے ہے، اور حدیثوں میں تفصیل سے اس کے احوال مذکور ہیں، اوراس چشمہ سے وہ مسلمان سیراب ہوں گے جوصراطِ مستقیم پر ہیں؛ کیوں کہ حوضِ کوثر سنّت (طریقۂ نبویؐ اور طریقۂ خلفائے راشدینؓ) کا پیکرِ محسوس ہے اور حدیث میں ہے کہ: قیامت کے دن کچھ مسلمانوں کوفرشتے لائن سے نکال دیں گے، حوض پر پینے نہیں آنے دیں گے، نبی ﷺ فرشتوں سے فرمائیں گے: ان کوآنے دو، یہ میرے ساتھی ہیں، یعنی مسلمان ہیں، فرشتے جواب دیں گے: یارسول اللہ! آپ نہیں جانتے، یہ لوگ آپ کے بعد بدل گئے تھے، یعنی آپ کے راستہ سے ہٹ گئے تھے، معلوم ہوا کہ جولوگ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد پر ہیں وہی حوضِ کوثر سے استفادہ کرسکیں گے۔

اِس امت کے لیے خیر ہی خیر ہے،

بشرطیکہ نماز پڑھے اور قربانی دے

یہ امت ہرعالَم میں سرخ رُو ہے، ارشادِ پاک ہے: ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (اورتم ہی غالب رہوگے اگرتم مؤمنین ہوئے)۔ (آلِ عمران: ۱۳۹) اِس دنیا میں اُس کے لیے رفعتِ شان اور سربلندی ہے اور قیامت کے دن اس کی سیرابی کے لیے جنت سے نہر لائی جائے گی، اور آخرت میں جنت نشیں ہوگی، جوخیرِ محض ہے۔

مگر شرط یہ ہے کہ امت ایمان کے ساتھ نماز کی پابندی کرے، نماز میں تمام فرائض وواجبات داخل ہیں، نماز کی تخصیص اِس لیے کی ہے کہ وہ دین کا اہم ستون ہے، اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت نماز کی ہے، وہ دین کے محل کا بنیادی ستون ہے، اگر وہ قائم ہے تو محل قائم ہے، اور وہ نہ رہے تو محل ڈھ پڑے گا۔

دوسری شرط: قربانی دینا ہے، قربانی: جانور کے گلے پر چھری پھیرنے کا نام ہے؛

مگر مراد عام ہے، ملّت کے لیے ہر قربانی اِس کا مصداق ہے، اور قربانی کے لیے پہلے اپنے نفس کے گلے پر چھری چلانی ہوگی، اسی وقت ملّت کے مفاد کے لیے کام کر سکے گا، اور قربانی کا پہلا مصداق ''زکاۃ'' ادا کرنا ہے۔

آخری آیت کا پسِ منظر: جب نبی ﷺ کے بڑے صاحبزادے حضرت قاسمؓ کی وفات ہوئی یا کوئی اور صاحبزادے چل بَسے، تو مشرکین نے جملہ چست کیا: ''محمد دم بُریدہ ہوگیا'' (خاکم بدہن) یعنی اس کا کوئی لڑکا تو زندہ نہیں رہتا، پس جب تک وہ ہے اپنی ڈگڈگی بجائے گا، پیچھے کوئی نام بھی نہیں لے گا، اُن کو جواب دیا ہے کہ نبی ﷺ کا نام تو دن بہ دن روشن ہوگا، دم بریدہ بدخواہ ہوگا۔

اِک نامِ مصطفیٰ ہے جو بڑھ کر گھٹا نہیں
ورنہ پنہاں ہر عروج میں زوال ہے

فائدہ: اگر امت آج بھی یہ دو شرطیں پوری کرے تو اُس کا بُرا چاہنے والا خائب وخاسر ہوگا، مخالف اس کا بال بیکا نہیں کر سکے گا؛ مگر یہ شرطیں مفقود ہیں؛ اِس لیے سرنگوں ہے، امت کی اکثریت نماز نہیں پڑھتی، زکات کا حال اللہ بہتر جانتے ہیں، وہ ہر قسم کی جانی ومالی قربانیوں کے لیے تیار ہے؛ مگر بنیادی شرطیں مفقود ہیں، اور حدیث میں ہے: اللہ قرآن کے ذریعہ ایک قوم کو اٹھاتے ہیں اور دوسری قوم کو گراتے ہیں، اسلاف حاملِ قرآن تھے؛ اِس لیے سربلند تھے، آج امت کی اکثریت تارکِ قرآن ہے؛ اِس لیے سرنگوں ہے۔

❑❖❑

درسِ حدیث

کیا آپ ﷺ نے قیامت تک آنے والے فتنوں کو بیان فرمادیا؟

ازقلم:
مولانا محمد زبیر قریشی مفتاحی

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَاتَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ فِي مَقَامِهِ ذٰلِكَ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ قَدْعَلِمَهُ أَصْحَابِيْ هٰؤُلَاءِ وَإِنَّهُ لَيَكُوْنُ مِنْهُ الشَّيْءُ قَدْنَسِيْتُهُ فَأَرَاهُ فَأَذْكُرُهُ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ إِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ إِذَا رَآهُ عَرَفَهُ. (رواه البخاري ومسلم)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک دن وعظ و بیان کے لیے) کھڑے ہوئے، اُس بیان میں آپ ﷺ نے نہیں چھوڑی کوئی چیز جو ہوگی قیامت تک؛ مگر آپ ﷺ نے اس کو بیان فرمایا، اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا، اور اس کو بھول گیا جو بھول گیا، میرے ان ساتھیوں کو بھی اس کا علم ہے اور واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اس بیان کی کوئی چیز مَیں بھولے ہوئے ہوتا ہوں پھر اس کو (ہوتا ہوا) دیکھتا ہوں تو وہ مجھے یاد آجاتی ہے، جس طرح ایک آدمی دوسرے کسی آدمی کے چہرے کو بھول جاتا ہے جب وہ اُس سے غائب ہوجائے، پھر جب اُس کو دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے (اور بھولا ہوا چہرہ یاد آجاتا ہے)۔

تشریح: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ مضمون روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن بہت طویل بیان فرمایا، جس میں آپ ﷺ نے قیامت تک ہونے والے واقعات وحوادث کا ذکر فرمایا، ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسے غیر معمولی حوادث وواقعات اور ایسے اہم فتنوں کا ذکر فرمایا جن کے بارے میں امت کو آگاہی دینا آپ ﷺ نے ضروری سمجھا، یہی آپ ﷺ کے منصبِ نبوت کا تقاضا اور آپ ﷺ کے شایانِ شان تھا؛ لیکن وہ لوگ جن کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ابتدائے آفرینش عالم سے قیامت تک زمین وآسمان کی ساری کائنات اور تمام مخلوقات کا، ذرّے ذرّے اور پتّے پتّے کا علم حاصل تھا، وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اِس حدیث اور اِس مضمون کی دوسری حدیثوں سے بھی استدلال کرتے ہیں، ان کے نزدیک ان حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے اس بیان میں ان کی اصطلاح کے مطابق تمام ''ما کان وما یکون'' بیان فرمایا تھا، یعنی روئے زمین کے سارے ملکوں: ہندوستان، ایران، افغانستان، چین، جاپان، امریکہ، افریقہ، انگلینڈ، فرانس، ترکی، روس وغیرہ وغیرہ دنیا کے تمام ملکوں میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں، حیوانوں، چرندوں، پرندوں، چونٹیوں، مکھیوں، مچھروں، کیڑے مکوڑوں اور سمندر میں پیدا ہونے والی مخلوقات کے سبھی تمام حالات آپ ﷺ نے بیان فرمائے تھے کہ یہ سب بھی ''ما کان وما یکون'' میں شامل ہے، اسی طرح مختلف ملکوں کے ریڈیو سے مختلف زبانوں میں جو خبریں اور جو گانا بجانا نشر ہوتا ہے اور مختلف ملکوں کے ہزاروں اخبارات میں مختلف زبانوں میں جو کچھ چھپتا رہا ہے اور چھپتا ہے اور قیامت تک چھپے گا وہ سب بھی آپ ﷺ نے مسجدِ نبویؐ کے اس خطبہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بتلایا تھا؛ کیوں کہ یہ سب بھی ''ما کان وما یکون'' میں داخل ہیں۔

جس آدمی کو اللہ نے ذرّہ برابر بھی عقل دی ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کا یہ مطلب بیان کرنا اور ایسا دعویٰ کرنا کس قدر جاہلانہ اور احمقانہ بات ہے۔

اِس کے علاوہ اس سلسلہ میں یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں ان لوگوں کے دعوے کے مطابق تمام ''ما کان و ما یکون'' (جو ہو چکا اور جو ہونے والا ہے) اور ہر طرح کے جزئی حوادث و واقعات بیان فرمائے تھے، تو اس کا تو ضرور ہی ذکر فرمایا ہوگا کہ میرے بعد پہلے خلیفہ ابوبکرؓ ہوں گے اور ان کے زمانۂ خلافت میں یہ یہ ہوگا..... ان کے بعد دوسرے خلیفہ عمر بن الخطابؓ اور ان کے بعد تیسرے خلیفہ عثمان بن عفانؓ ہوں گے اور ان کے دَور میں اور اس کے بعد یہ یہ واقعات پیش آئیں گے، تو اگر حضور ﷺ نے اس خطبہ میں ''جمیع ما کان و ما یکون'' اور اس سلسلہ میں یہ سب بھی بیان فرما دیا تھا، تو حضور ﷺ کی وفات کے بعد انتخابِ خلیفہ کے سلسلہ میں کسی غور و فکر اور کسی مشاورت کی ضرورت نہ ہوتی اور سقیفۂ بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا کچھ بھی نہ ہوتا، ہر شخص کو یاد ہوتا کہ حضور ﷺ نے چند ہی روز پہلے تو فرمایا تھا کہ میرے بعد خلیفہ ابوبکرؓ ہوں گے، اسی طرح حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد انتخابِ خلیفہ کے سلسلہ میں کسی غور و فکر اور کسی مشاورت کی ضرورت نہ ہوتی، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اور ان چھ حضرات کو جن کے سپرد آپ رضی اللہ عنہ نے انتخابِ خلیفہ کا مسئلہ فرمایا تھا، ضرور یاد ہوتا کہ حضور ﷺ نے بتلا دیا تھا کہ عمر بن الخطابؓ کے بعد میرے تیسرے خلیفہ عثمان بن عفانؓ ہوں گے، یہ سب حضرات اس وقت امت میں سب سے افضل سابقین اوّلین اور عشرۂ مبشرہ میں سے تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضور ﷺ نے اِس خطبہ میں بیان تو یہ سب کچھ فرما دیا تھا؛ لیکن یہ سب اس کو بھول گئے، تو دین کی کوئی بات بھی قابلِ اعتبار نہیں رہتی، امت کو سارا دین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے ذریعہ اور انہیں کی نقل و روایت سے ملا ہے، جب ان کے درجۂ اوّل کے حضرات، سابقین اوّلین اور عشرۂ مبشرہ کے بارے میں یہ مان لیا جائے کہ خود انہی سے متعلق حضور ﷺ کی فرمائی ہوئی اتنی اہم باتوں کو بھول گئے اور کسی ایک کو بھی حضور ﷺ کا وہ بیان یاد نہیں رہا، تو ان کی نقل و روایت پر قطعاً اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

حدیث کے کسی راوی کے متعلق بھی ثابت ہوجائے کہ وہ ایسا بھولنے والا تھا تو محدثین اس کی کسی بھی روایت کا اعتبار نہیں کرتے، وہ روایت میں ساقط الاعتبار اور نا قابلِ اعتماد قرار دے دیا جاتا ہے۔

بہرحال حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اِس حدیث اور اِس مضمون کی دوسری حدیثوں کی بنا پر ان لوگوں کا یہ دعویٰ کہ حضور ﷺ نے مسجدِ نبویؐ کے اپنے اِس بیان اور خطبہ میں ان کی اصطلاح کے مطابق ''جمیع ما کان و ما یکون'' بیان فرمایا تھا، مذکورہ بالا وجوہ سے انتہائی احمقانہ اور جاہلانہ دعویٰ ہے، ان سب حدیثوں کا مطلب ومفاد صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس بیان اور خطبہ میں قیامت تک واقع ہونے والے ان غیر معمولی واقعات وحوادث اور ان اہم فتنوں کا بیان فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر منکشف فرمائے تھے اور ان کے بارے میں امت کو آگاہی دینا آپ ﷺ نے ضروری سمجھا، یہی منصبِ نبوت کا تقاضا اور آپ ﷺ کے شایانِ شان ہے۔

❑❖❑

قسط نمبر (۶)

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُس کی گوناگوں خصوصیات

از قلم:
حافظ محمد سفیان قریشی

قریش نے مسلمانوں کا حبش تک تعاقب کیا:

اُن کے پیچھے اور بھی مسلمان (۸۳ رمرد، ۱۸ رعورتیں) مکہ سے نکلے اور حبش کو روانہ ہوئے، اُن میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ قریش نے سمندر تک اِن کا تعاقب کیا؛ مگر یہ کشتیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔

حبش کا بادشاہ عیسائی تھا، مکہ کے کافر بھی اس کے پاس تحفے تحائف لے کر گئے اور جا کر کہا کہ اُن لوگوں کو جو ہمارے ملک سے بھاگ کر آئے ہیں، ہمارے سپرد کر دیا جائے۔ مسلمان دربار میں بلائے گئے، تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے دربار میں یہ تقریر کی:

دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر اسلام پر:

اے بادشاہ! ہم جہالت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے تھے، نجاست میں آلودہ تھے، مُردار کھاتے تھے، بے ہودہ بَکا کرتے تھے، ہم میں انسانیت اور سچی مہمانداری کا نشان نہ تھا، ہمسایہ کی رعایت نہ تھی، کوئی قاعدہ قانون نہ تھا، ایسی حالت میں اللہ نے ہم میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا، جس کے حسب ونسب، سچائی، دیانت داری، تقویٰ اور پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے۔ اُس نے ہم کو توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ اُس اکیلے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ جس نے ہم کو پتھروں کی پُوجا سے روکا۔ جس نے فرمایا کہ:

ہم سچ بولا کریں، وعدہ پورا کیا کریں، گناہوں سے دُور رہیں، بُرائیوں سے بچیں۔ اُس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں، صدقہ دیا کریں اور روزے رکھا کریں، ہماری قوم ہم سے اِن باتوں پر بگڑ بیٹھی ہے، قوم سے جہاں تک ہوسکا ہم کو ستایا؛ تاکہ ہم وحدہٗ لاشریک کی عبادت چھوڑ دیں اور لکڑی و پتھر کی مورتیوں کی پُوجا کرنے لگ جائیں، ہم نے اُن کے ہاتھوں بہت ظلم اور تکلیفیں اُٹھائی ہیں اور جب مجبور ہو گئے، تب تیرے ملک میں پناہ لینے کے لیے آئے ہیں۔

بادشاہ نے یہ تقریر سُن کر کہا: مجھے قرآن سناؤ! جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اسے سورۂ مریم سنائی، بادشاہ پر ایسا اثر ہوا کہ وہ رونے لگ گیا اور اُس نے کہا کہ محمد تو وہی رسول ہیں جن کی خبر عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے دی تھی، اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس رسول کا زمانہ ملا، پھر بادشاہ نے مکہ کے کافروں کو دربار سے نکلوا دیا۔

جب مکہ کے کافروں نے دیکھا کہ حبش تک جانے کا بھی کچھ فائدہ نہ نکلا، تو انھوں نے کہا کہ آؤ محمد کو پہلے تو لالچ دیں، پھر دھمکی دیں، کسی طرح تو مان ہی جائے گا۔ یہ مشورہ کر کے مکہ کا مشہور مالدار سردار جس کا نام عتبہ تھا، نبی ﷺ کے پاس آیا اور اُس نے یوں تقریر کی:

''میرے بھتیجے محمدؐ! اگر تم اِس کارروائی سے مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم خود ہی آپ کے پاس اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ آپ مالا مال ہو جائیں۔ اگر تم عزت کے بھوکے ہو تو اچھا ہم سب تم کو اپنا رئیس مان لیتے ہیں، اگر حکومت کی خواہش ہے تو ہم آپ کو بادشاہِ عرب بنا دیتے ہیں، جو چاہو سو کرنے کو حاضر ہیں؛ مگر آپ اپنا یہ طریق چھوڑ دو۔ اگر آپ کے دماغ میں کچھ خلل آ گیا ہے تو بتا دو کہ ہم آپ کا علاج کرائیں''۔

نبی ﷺ نے فرمایا: جو کچھ تم نے میری بابت کہا وہ ذرا بھی صحیح نہیں، مجھے مال، عزت، دولت، حکومت کچھ درکار نہیں اور میرے دماغ میں خلل بھی نہیں، میری حقیقت تم کو قرآن کے اِس کلام سے معلوم ہوگی:

﴿حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝﴾ (سورۂ حٰمٓ السّجدہ، پارہ: ۲۴)

''یہ فرمان اللہ کے حضور سے آیا ہے، وہ بڑی رحمت والا ہے، نہایت رحم والا ہے۔ یہ برابر پڑھی جانے والی کتاب ہے، عربی زبان میں سمجھ دار لوگوں کے لیے اِس میں سب باتیں کھلی کھلی درج ہیں جو لوگ اللہ کا حکم مانتے ہیں اُن کے واسطے اِس فرمان میں بشارت ہے اور جو انکار کرتے ہیں اُن کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہے، تاہم بہت سے لوگوں نے اِس فرمان سے منہ موڑ لیا ہے، وہ اِسے سنتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا ہمارے دل پر کوئی اثر نہیں اور ہمارے کان اِس کے سنے ہوئے نہیں اور ہم میں اور تم میں ایک طرح کا پردہ ہے، تم اپنی تدبیر کرو، ہم اپنی (تدبیر) کر رہے ہیں۔ اے نبی! اِن لوگوں سے کہہ دیجیے کہ مَیں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں؛ مگر مجھ پر وحی آتی ہے اور اللہ کے فرشتے نے بتا دیا ہے کہ سب لوگوں کا معبود صرف ایک ہے، اسی کی طرف متوجہ ہونا اور اسی سے گناہوں کی معافی مانگنا لازم ہے، اُن لوگوں پر افسوس ہے جو شرک کرتے ہیں اور صدقہ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں؛ لیکن جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اُن کے لیے آخرت میں بڑا درجہ ہے''۔

کلامِ پاک کے سننے سے عتبہ پر ایک محویت کا عالم طاری ہوگیا، وہ ہاتھوں پر سہارا دیے گردن پُشت پر ڈالے ہوئے سُنتا رہا، بالآخر چُپ چاپ اُٹھ کر چلا گیا۔ قریش، جو نتیجۂ ملاقات معلوم کرنے کے مشتاق بیٹھے تھے، سردار عتبہ کے پاس جمع ہوگئے، پوچھا کیا دیکھا؟ کیا کہا؟ کیا سنا؟ عتبہ بولا: اے قریش کی جماعت! مَیں ایسا کلام سُن کر آیا ہوں جو نہ کہانی ہے، نہ شعر ہے، نہ جادو ہے اور نہ نثر ہے، میرا کہا مانو، میری رائے پر چلو اور محمد کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ لوگوں نے یہ رائے سُن کر کہا کہ لو عتبہ پر بھی محمد کی زبان کا جادو چل گیا۔ جب لالچ کی تدبیر نہ چلی، تب سارے قبیلوں کے سردار اکٹھے ہوئے اور نبی ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس آکر یوں تقریر کی:

ہم نے آپ کا بہت ادب کیا، آپ کا بھتیجا ہمارے بُتوں کو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے اِتنا سخت سُست کہنے لگا ہے کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے، آپ اُسے سمجھا کر چُپ رہنے کی ہدایت کر دیں؛ ورنہ ہم اسے جان سے مار ڈالیں گے اور تم اکیلے ہم سب کا کچھ نہیں کر سکو گے۔ سارے ملک کی عداوت دیکھ کر چچا کا دل درد اور محبت سے بھر گیا، اُنہوں نے نبی ﷺ کو بلایا اور سمجھایا کہ بُت پرستی کا رَد نہ کیا کرو؛ ورنہ مَیں بھی تمہاری کچھ حمایت نہیں کر سکوں گا۔

نبی ﷺ نے فرمایا: چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر لا کر رکھ دیں اور چاند کو بائیں ہاتھ پر، تب بھی مَیں اپنے کام سے نہ ہٹوں گا اور اللہ کے حکم میں سے ایک حرف بھی کم زیادہ نہ کروں گا، اِس کام میں خواہ میری جان بھی جاتی رہے۔

اِس ناکامی کے بعد قریشِ مکہ نے مشاورت کی کہ محمد (ﷺ) کو قوم کے سامنے بلا کر سمجھانا چاہیے۔ اِس مشاورت کے بعد اُنھوں نے نبی ﷺ کے پاس کہلا بھیجا کہ سردارانِ قوم آپ سے کچھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں اور کعبہ کے اندر جمع ہیں۔

نبی ﷺ خوشی خوشی وہاں گئے؛ کیوں کہ حضور ﷺ کو اُن کے ایمان لے آنے کی بڑی ہی آرزو تھی، جب آنحضرت ﷺ وہاں جا بیٹھے تو اُنہوں نے گفتگو کا آغاز اِس طرح کیا:

''اے محمد! ہم نے تجھے یہاں بات کرنے کے لیے بلایا ہے، خدا کی قسم! ہم نہیں جانتے کہ کوئی شخص اپنی قوم پر اتنی مشکلات لایا ہو جس قدر تُو نے اپنی قوم پر ڈال رکھی ہیں۔ کوئی خرابی ایسی نہیں جو تیری وجہ سے ہم پر نہ آچکی ہو، اب تم یہ بتاؤ کہ اگر تم اپنے اِس نئے دین سے مال جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہارے لیے مال جمع کردیں، اِتنا کہ ہم میں سے کسی کے پاس اُتنا روپیہ نہ نکلے اور اگر شرف وعزت کے خواست گار ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنالیں، اور اگر تم سلطنت کے طالب ہو تو تمہیں اپنا بادشاہ مقرر کرلیں اور اگر تم سمجھتے ہو کہ جو چیز تمہیں دکھائی دیتی ہے، وہ کوئی جن ہے جو غالب آگیا ہے، تو ہم ٹونے ٹوٹکوں کے لیے مال صَرف کردیں؛ تاکہ تم تندرست ہوجاؤ، یا قوم کے نزدیک معذور سمجھے جاؤ''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے جو کچھ کہا میری حالت کے ذرا بھی مطابق نہیں، جو تعلیم مَیں لے کر آیا ہوں، وہ نہ طلبِ اموال کے لیے ہے، نہ جلبِ شرف یا حصولِ سلطنت کے واسطے، بات یہ ہے کہ اللہ نے مجھے تمہاری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر کتاب اُتاری ہے، مجھے اپنا بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنایا ہے، مَیں نے اپنے رب کے پیغام تم کو پہنچادیے ہیں اور تمہیں بخوبی سمجھادیا ہے، اگر تم میری تعلیمات کو قبول کروگے تو یہ تمہارے لیے دنیا وآخرت کا سرمایہ ہے اور اگر رَد کروگے، تب مَیں اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا کہ وہ میرے لیے اور تمہارے لیے کیا حکم بھیجتا ہے''۔

قریش نے کہا: ''اچھا محمدؐ! اگر تم ہماری اِن باتوں کو نہیں مانتے تو ایک اور بات سنو! آپ کو معلوم ہے کہ ہم کس قدر سختی اور تنگی سے دن کاٹ رہے ہیں، پانی ہمارے پاس سب سے کم ہے اور گزران ہماری سب سے تنگ ہے، اب تم اللہ سے یہ سوال کرو کہ ان پہاڑوں کو ہمارے سامنے سے ہٹادے؛ تاکہ ہمارے شہر کا میدان کھل جائے؛ نیز ہمارے لیے ایسی نہریں جاری کردے جیسی شام وعراق میں جاری ہیں؛ نیز ہمارے باپ داداؤں کو زندہ کردے، اُن زندہ ہونے والوں میں قصی بن کلاب ضرور ہو؛ کیوں کہ وہ ہمارا سردار تھا اور سچ بولا کرتا تھا، ہم اُس سے تیری بابت بھی پوچھ لیں گے، اگر اُس نے تیری باتوں کو سچ

مان لیا اور تُو نے ہمارے دوسرے سوالوں کو بھی پورا کر دیا، تب ہم بھی تجھے سچا جان لیں گے اور مان لیں گے کہ ہاں اللہ کے یہاں تیرا بھی کوئی درجہ ہے اور اُس نے فی الحقیقت تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ تُو کہہ رہا ہے''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مَیں اِن کاموں کے لیے رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا، مَیں تو اِس تعلیم کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور مَیں نے اللہ کے پیغامات تمہیں سنا دیے ہیں، اگر تم اِس تعلیم کو قبول کرلو گے تو یہ تمہارا دنیا و آخرت کے لیے سرمایہ ہے، اگر رَد کردو گے تو مَیں اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا، جو کچھ اُسے میرا اور تمہارا فیصلہ کرنا ہوگا فرمادے گا''۔

قریش نے کہا: ''اچھا! اگر تم ہمارے لیے کچھ نہیں کرتے تو خود اپنے ہی لیے اللہ سے سوال کرو کہ وہ:

- ایک فرشتہ کو تمہارے ساتھ مقرر کردے، جو یہ کہتا رہا کرے کہ یہ شخص سچا ہے اور ہم کو تمہاری مخالفت سے منع بھی کردے۔
- ہاں! تم اپنے لیے یہ بھی سوال کرو کہ باغ لگ جائیں، بڑے بڑے محل بن جائیں، خزانہ میں سونا چاندی جمع ہوجائے، جس کی تمہیں ضرورت بھی ہے، اب تک تم خود ہی بازار میں جاتے اور اپنی معاش تلاش کیا کرتے ہو، ایسا ہوجانے کے بعد ہی ہم تمہاری فضیلت اور شرف کی پہچان حاصل کرسکیں گے اور تمہیں اللہ کا رسول سمجھیں گے''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مَیں ایسا نہ کروں گا اور اللہ سے بھی ایسا سوال نہ کروں گا اور اِن باتوں کے لیے مَیں مبعوث بھی نہیں ہوا، مجھے تو اللہ نے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنایا ہے، تم مان لو تو تمہارے لیے ذخیرۂ دارین ہے؛ ورنہ مَیں صبر کروں گا اور اللہ کے فیصلے کا منتظر رہوں گا''۔

قریش نے کہا: ''اچھا! تم آسمان کا ٹکڑا ہی توڑ کر ہم پر گرادو؛ کیوں کہ تمہارا گمان یہ ہے

کہ اگر اللہ چاہے تو ایسا کرسکتا ہے، پس جب تک تم ایسا نہ کروگے ہم ایمان نہیں لائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اللہ کے اختیار میں ہے، وہ اگر چاہے تو ایسا کرے''۔

قریش نے کہا: ''محمدؐ! یہ تو بتاؤ کہ تمہارے اللہ نے تمہیں پہلے سے یہ نہ بتایا کہ ہم آپ کو بلائیں گے، ایسے ایسے سوال کریں گے، یہ یہ چیزیں طلب کریں گے، ہماری باتوں کا یہ جواب ہے اور اللہ کا منشا ایسا ایسا کرنے کا ہے؟

چوں کہ آپ کے اللہ نے ایسا نہیں کیا؛ اِس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے سنا ہے وہ صحیح ہے کہ یمامہ میں ایک شخص رہتا ہے، اُس کا نام رحمٰن ہے، وہی آپ کو ایسی باتیں سکھاتا ہے، ہم تو رحمٰن پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ محمدؐ دیکھو! آج ہم نے اپنے سب عذرات سنا دیے ہیں، اب ہم آپ سے قسم کھا کر یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم آپ کو اس تعلیم کی اشاعت کبھی نہ کرنے دیں گے، حتیٰ کہ ہم مرجائیں یا آپ مرجائیں''۔

یہاں تک بات چیت ہوئی تھی کہ ایک اُن میں سے بولا: ''ہم ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں، جو اللہ کی بیٹیاں ہیں، دوسرا بولا محمدؐ! ہم آپ کی بات کا یقین نہیں کریں گے، جب تک کہ اللہ اور فرشتے ہمارے سامنے نہ آجائیں''۔

نبی ﷺ آخری بات سُن کر اُٹھ کھڑے ہوئے، نبی ﷺ کے ساتھ عبداللہ بن ابواُمیہ بن مغیرہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا، یہ آپ ﷺ کا پھوپھی زاد بھائی (عاتکہ بنتِ عبدالمطّلب کا بیٹا) تھا، اُس نے کہا: ''محمدؐ! (دیکھو تمہاری قوم نے اپنے لیے کچھ چیزوں کا تم سے سوال کیا، وہ بھی تم نے نہ مانا، پھر انھوں نے یہ چاہا کہ تم خود اپنے ہی لیے ایسی علامات کا اظہار کرو جس سے تمہاری قدر و منزلت کا ثبوت ہوسکتا ہو، اُسے بھی تم نے قبول نہ کیا، پھر انھوں نے اپنے لیے تھوڑا سا عذاب بھی چاہا، جس کا خوف تم دلایا کرتے ہو، تم نے اُس کا بھی قرار نہ کیا، پس اب مَیں تم پر کبھی ایمان نہیں لاؤں گا، اگرچہ تم میرے سامنے آسمان کو زینہ لگا کر اوپر چڑھ جاؤ اور میرے سامنے اس زینے سے اُترو اور تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی آئیں اور وہ تمہاری شہادت بھی دیں، مَیں تو تب بھی تم پر ایمان نہیں لاؤں گا۔

نبی ﷺ اِس رَدّ وانکار پر بھی برابر قریش کو اسلام کی ہدایت کیا کرتے اور فرمایا کرتے کہ: میری تعلیم ہی میں سب کچھ تمہارے لیے موجود ہے، جن دانش مندوں نے ایمان قبول کیا اور تعلیمِ نبویؐ پر کاربند ہوئے اُنہیں اُس سے زیادہ معارف وفوائد حاصل ہو گئے جس کا سوال کفار نے کیا تھا۔

ہم کو اِس موقع پر انجیل کا وہ مقام یاد آتا ہے جس میں مسیح علیہ السلام کی آزمائش کے لیے شیطان نے کئی سوال کیے اور مسیح علیہ السلام نے اُن کا جواب انکار میں دیا۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے برگزیدہ رسول اپنی صداقت کے ثبوت میں اپنی تعلیم پیش کیا کرتے ہیں، معجزہ یا خرقِ عادت بات کو پیش نہیں کیا کرتے؛ کیوں کہ پھر صفتِ ایمان بالغیب کی خوبی باقی نہیں رہتی، اگرچہ دیگر اوقات میں کسی ضرورت کے لیے اُن سے معجزات کا صدور بھی بکثرت ہوتا رہتا ہے۔

(جاری.......................)

❑❖❑

قسط نمبر (۶)

حیات قطبِ دکنؒ

از:
مولانا سعید الحق صاحب قریشی

حضرتؒ کا اپنے خسر سے ادب فرمانا

ایک مرتبہ پڑ دادا حضرتؒ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جن میں کچھ عہدہ دار بھی شامل تھے، بازار سے گزر رہے تھے، دھوپ کا وقت تھا، سب لوگ چھتریاں لگائے ہوئے تھے کہ اچانک حضرت نے اپنی چھتری اُتارلی، آپ کو دیکھ کر سبھی نے اپنی اپنی چھتریاں اُتارلیں، تھوڑی دُور جانے کے بعد حضرت نے اپنی چھتری چڑھالی، حضرت کے چھتری چڑھانے پر سبھی نے اپنی چھتریاں چڑھالیں، کسی نے آپ سے پوچھ ہی لیا کہ حضرت آپ نے چھتری کیوں اُتاری تھی؟ آپ نے فرمایا کہ: میں نے دیکھا کہ میرے خسر دھوپ میں بغیر چھتری کے آرہے ہیں، مجھے حیا آئی کہ میں چھتری میں ہوں اور میرے خسر دھوپ میں، جب وہ گزر گئے تو میں نے اپنی چھتری چڑھالی۔

ازدواجی زندگی

پڑ دادا حضرتؒ کا نکاح اودگیر کے ایک شریف گھرانے کی خاتون حسین بی عرف بی بی امّاں بنتِ اسماعیل صاحب پیٹ دروازہ اودگیر سے ہوا تھا، جو حضرتؒ کے مقابلہ میں اتنی خوبصورت نہ تھیں سیدھی سادھی نیک خاتون تھیں، نماز روزہ کی سخت پابند؛ بلکہ صائم الدہر تھیں، ہر سال مہینہ کے متعین روزوں کے علاوہ رجب، شعبان اور رمضان مسلسل تین مہینے

روزوں کا خاص طور پر اہتمام فرماتی تھیں، حضرتؒ کو بی بی امّاں کے یہی اوصاف پسند تھے، پڑدادی امّاں حسین بیؒ سے حضرت کے دولڑکے تھے: (۱) محمد عبدالغفور قریشی، جن کا حضرتؒ کی حیات میں ہی انتقال ہوگیا تھا (۲) عبدالرحمٰن قریشی (والد ماجد حضرت قطبِ دکن) اور دولڑکیاں تھیں: (۱) امۃ العزیز، جولوہارے میں بیاہی گئیں[۱] (۲) زبیدہ بیگم، یہ حیدرآباد میں بیاہی گئیں۔

جامعہ نظامیہ میں بحیثیت ممتحن

حضرت مولانا قاسم صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اس وقت کے چوٹی کے علماء میں کیا جاتا تھا، اپنے وقت کے بلند پایہ عالم ربانی ہونے اور دن ورات تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں اپنی زندگی صَرف کرنے کی وجہ سے جامعہ نظامیہ میں ممتحن کی حیثیت سے آپ کو مدعو کیا جاتا تھا اور امتحان کے بعد آپ کی جانب سے دی جانے والی ہدایات کو بسروچشم قبول کرلیا جاتا تھا، زمانہ کے نرم گرم سے مسلسل سابقہ اور زندگی کے دراز سفر نے انھیں یہ صفت عطا کی تھی کہ حساس مسائل اور ملک وملت کے نازک معاملات میں بڑے بڑے علماء وقائدین آپ سے رجوع کرتے اور آپ کی رائے معلوم کرکے اسی پر عمل کرتے تھے۔

وفات حسرت آیات

کسی نہ کسی دن ہرایک کی زندگی کا سفر ختم ہونے والا ہے؛ لیکن خوش نصیب ہیں وہ لوگ کہ جب وہ دنیا سے جاتے ہیں تو لوگ انھیں روتے ہوئے ڈھونڈتے اور تلاش کرتے ہیں اور پانی کی مچھلیاں بھی ان سے محبت کرتی ہیں۔

(۱) ان کا جوانی ہی میں سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے انتقال ہوگیا تھا، حضرت قطبِ دکن کے پڑدادا مولوی محمد اسماعیل قریشی کی صاحبزادی روشن بی نے اپنے صاحبزادے سے ان کا عقد کیا تھا۔

حضرت مولانا قاسم صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی خوبصورت اور موزوں بدن کے آدمی تھے، پہلے بہت ہی شاندار اور نفیس لباس پہنا کرتے تھے، جس کی وجہ سے خوبصورتی اور دوبالا ہوجاتی تھی؛ لیکن آخری عمر میں سادگی کا غلبہ ہوگیا تھا اور وضع دار لباس بھی ترک فرمادیا تھا اور بالکل سادہ لباس پہنا کرتے تھے، آپ آخری دن اپنی آرام گاہ میں لیٹے ہوئے تھے، پسلی کا درد ہورہا تھا، آپ نے آئینہ منگوایا، اپنے خوبصورت چہرہ کو آئینہ میں دیکھا، پھر بڑی حسرت سے فرمایا: تھوڑی دیر بعد محمد قاسم کا چہرہ باقی نہیں رہے گا اور آئینہ کو اوندھا ڈال دیا، پھر تھوڑی ہی دیر بعد آپ کا وصال ہوگیا۔

۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں مدرسہ کی بنیاد رکھنے کے صرف تین سال بعد یعنی ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں اس فانی دنیا کو خیرباد کہہ کر ابدی زندگی کی طرف چل پڑے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

مسجد بیگ جی دبیرہ پورہ اودگیر میں والدگرامی مولوی محمد اسماعیل قریشیؒ کے جوار میں آپ کا مرقد مبارک ہے۔

انتقال کا صدمہ پورے اودگیر پر

حضرت کی زندگی میں ہندو مسلمان سب ہی آپ کے حسنِ سلوک اور اخلاقِ حسنہ سے بے حد متاثر تھے، جس دن آپ کا وصال ہوا، لوگوں پر رنج وغم کا اس قدر غلبہ تھا کیا ہندو کیا مسلمان بلاتفریق مذہب تین دن تک اَطراف کے علاقوں میں لوگوں نے چولہا نہیں جلایا، لوگ سوگوار رہے اور آپ کے انتقال کا غم آپ کے شاگردِ خاص حضرت مولانا قاری غلام حسین خان صاحب دُرّانی رحمۃ اللہ علیہ پر اس قدر ہوا کہ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اب قاری صاحب حضرت بھی زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکیں گے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کا کام جاری رکھنا منظور تھا۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ اصلاح، پندونصائح اور درس وتدریس کا سلسلہ ساٹھ سال تک جاری رہا اور اس کے علاوہ قاری

صاحب حضرتؒ مفت میں علاج ومعالجہ فرماتے تھے، جس کی وجہ سے تمام علاقہ بھر میں آپ کی شہرت تھی، جس کی نظیر نہیں ملتی، گویا خدا کی دَین تھی، جو معمولی دواؤں سے بڑے بڑے اَمراض کا مفت علاج فرمادیا کرتے اور لوگ شفاء پاتے تھے۔

حضرت قاری صاحب حضرت قدس سرہٗ سلسلۂ نقشبندیہ کے صاحبِ اجازت بڑے قوی نسبت بزرگ تھے، بہت سے لوگ آپ سے بیعت تھے، اسی سلسلہ میں آپ اَطراف واَکناف کے علاقوں میں کئی کئی ماہ قیام کرتے اور لوگوں کو دین کے راستے پر لگایا کرتے تھے، لوگ بھی آپ سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بےنوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(جاری.....)

❑❖❑

عورتوں سے مصافحہ کرنے کی ممانعت

از:

قطبِ دکن

مولانا شاہ محمد عبدالغفور صاحب قریشی نوراللہ مرقدہٗ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا مَسَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ امْرَأَةً قَطُّ، إِلَّا أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهَا، فَإِذَا أَخَذَ عَلَيْهَا فَأَعْطَتْهُ، قَالَ: اذْهَبِيْ فَقَدْ بَايَعْتُكِ. (رواه الشيخان وأبوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے کسی عورت کے ہاتھ کو کبھی نہیں چھوا؛ البتہ صرف زبانی بیعت لے لیتے تھے، جب زبانی عہد لینے پر وہ عہد دے دیتیں تو فرماتے کہ جاؤ میں نے تم کو بیعت کرلیا۔ (روایت کیا اِس کو بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے)

اصلاح: مصافحہ نہ کردن باز ناں در بیعت

بعض ناواقف یا بے احتیاط درویش عورتوں سے دست بدست بیعت لیتے ہیں، یہ عمل بالکل ناجائز ہے، بلاضرورت اجنبی عورت کے بدن پر ہاتھ لگانا گناہ ہے، اِس حدیث میں اِس عمل کا ابطال لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کون مربی وعفیف ہوگا، جب آپ ﷺ نے اس پر احتیاط فرمائی تو دوسرے کسی پیر کو باپ یا فرشتہ سمجھ کر ایسی بے تکلفی و بے احتیاطی کو کیوں کر گوارہ کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت بیعت کی محض معاہدہ ہے، سوز بانی کافی ہے، مشائخ متاخرین نے تقویتِ اتصال کے لیے؛ نیز تسکین قلب عوام کے لیے کپڑے کا ایک گوشہ خود لینا اور دوسرا مرید کو دینا معمول کرلیا ہے، اِس کا مضائقہ نہیں؛ بلکہ اگر مرد کے لیے بھی بضرورت یا بلاضرورت زبانی بیعت پر اکتفا کیا جائے تو مضائقہ نہیں؛

لیکن چوں کہ ہاتھ میں ہاتھ لینا بیعت کی ایک مسنون ہیئت ہے اور مرد میں اِس سے کوئی مانع نہیں؛ لہٰذا معنی وصورت کا جمع کر لینا اولیٰ ہے۔

وضاحت: حضرت کا فرمان ہے کہ ''بعض ناواقف عورتوں سے دست بدست بیعت لیتے ہیں''، یہ ناواقفیت کا لفظ حضرت کے بہت احتیاط کا لفظ ہے؛ ورنہ شرع، حیاء اور معاشرہ کے خلاف ہونے سے سخت ڈانٹ کر بھی کہہ سکتے تھے؛ مگر حضرت صوفی اور خدا پرست تھے؛ اِس لیے ایسا لکھا، حقیقت یہ ہے کہ یہ تو عام لوگوں کی عام واقفیت کی بات ہے؛ مگر بے احتیاطی اِس قدر بڑھ گئی ہے کہ واقفیت، ناواقفیت کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ اور ایک غلط مرشدوں کا یہ معمول ہو گیا ہے کہ مَردوں کو دست بدست بیعت کرنے کے جیسا عورتوں کو بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرتے ہیں، لاعلمی اور شریعت سے دُوری کی علامت ہے، اتنا ہی نہیں؛ بلکہ اور بھی اِس سے زیادہ بے احتیاطیاں ہوتی ہیں۔ عام لوگوں پر پیرانِ طریقت کی جو عقیدت قائم ہو گئی ہے، بے چارے اُس عقیدت میں اِس بے احتیاطی کو بُرا نہیں سمجھتے؛ بلکہ عقیدت میں انہیں بھلا اور صحیح طریقہ یہی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہتے ہیں کہ پیر سے کیا پردہ، پیر کو اگر نہیں دیکھیں گے تو آخرت میں پیر کو کیسے پہچانیں گے، اور اگر پیر مریدہ کو نہیں دیکھیں گے تو وہ مُریدہ کو کیسے پہچانیں گے، وہاں تو ایمان خود پہچانے گا، یہاں تو نفس ہے اور شرعی حکم پردہ ہے؛ اِس لیے ہرگز بے احتیاطی نہ ہونی چاہیے؛ ورنہ مؤاخذہ کا ڈر ہے اور پیرانِ طریقت کے راستے کو بدنام کرنا ہے، اِس بے احتیاطی میں بڑی بڑی غلطیاں بھی ہوتی ہیں، بدنامیاں بھی ہوتی ہیں؛ مگر غلط عقیدت پردہ ڈال دیتی ہے، ایسے واقعات ہیں کہ زبان پر لانا بھی گوارا نہیں، اللہ بچائے۔

حضرت نے فرمایا: تقویتِ اتصال کے لیے؛ نیز تسکینِ قلب عوام کے لیے کپڑے کا ایک گوشہ خود لینا اور دوسرا گوشہ مُریدہ کو دینا معمول کر لیا ہے۔

جور کی مضبوطی اور عام لوگوں کے دل کا ایک اہم جزئیہ ہے، جس کی رعایت ہر زمانہ میں ہر بزرگ کو کرنا پڑی ہے، جو شریعت کے خلاف بھی نہ ہو اور تقویت وتسکین بھی ہو،

جیسے: تعویذ دینا؛ حالاں کہ محض دعائیں بھی کافی ہیں، دعا بھی دل سے بلا اظہار بھی کافی ہے؛ مگر دعا کرنے والے کے سامنے دعا اظہار کے ساتھ کرنا یا اللہ کی فوراً منظوری کا سامنے اظہار کر دینا؛ تا کہ اس کو یقین ہوجائے، خلافت میں لباس اور عمامہ دینا یا قبر میں پیرہن دینا، شجرہ دینا، کھانا کھلانا، اپنے قریب بلا کر بٹھانا اور بھی تسکین کے کام پیرانِ طریقت کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود سوال کیا کہ اے اللہ! مجھے دکھایئے کہ آپ مُردہ کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟ اللہ نے پوچھا کیا تم میرے مُردہ کو زندہ کرنے پر ایمان نہیں رکھتے؟ عرض کیا ایمان تو رکھتا ہوں؛ مگر مَیں اپنے قلب کا اطمینان چاہتا ہوں، اللہ نے ظاہری نقشہ بنا کر اطمینان دلایا۔ معلوم ہوا ایمان، بھرپور ایمان اور جلیل القدر نبی علیہ السلام کا ایمان ہونے کے باوجود اطمینان ایک الگ چیز ہے، اس کی ہر انسان کو سخت ضرورت ہے، ہر کام کے نہ ہونے تک، کام کے ہونے کا یقین ہونے پر بھی بے اطمینانی رہتی ہے، کام ہوجانے پر اطمینان اُبھر آتا ہے۔

❑❖❑

عورت: مغربی فضلاء اور اہلِ انصاف کی نظر میں

از:

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہٗ

مغربی فضلاء اور اہلِ انصاف کی شہادت واعتراف:

متعدد انصاف پسند مغربی فضلاء اور معاشرتی وتمدنی تاریخ کے ماہرین نے اُن قرآنی اور شرعی تعلیمات کی برتری کا اعتراف کیا ہے، جو عورتوں کے احترام اور ان کے لیے حقوق پر مشتمل ہیں۔

ہم یہاں دو تین شہادتوں پر اکتفا کرتے ہیں، اُن میں سے ایک شہادت تو ایک مغربی فاضلہ کی ہے، جو ہندوستان میں ایک تربیتی واصلاحی تحریک کے قائد اور جنوبی ہند کے ایک ثقافتی ادارے (تھیاسوفیکل سوسائٹی) کی صدر رہی ہیں، انھوں نے ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں بھی حصہ لیا تھا، کسی خاتون کی شہادت اس لیے بھی اہم اور قیمتی ہوتی ہے کہ وہ عورت کے معاملہ میں حساس ہوتی اور اُس کی طرف سے دفاع میں دلچسپی رکھتی ہے، مسز اینی بسنت (Mrs. Aninie Besant) کہتی ہیں:

> ''آپ کو ایسے لوگ ملیں گے جو مذہبِ اسلام پر اِس لیے تنقید کرتے ہیں کہ یہ محدود تعددِ ازدواج کو جائز قرار دیتا ہے؛ لیکن آپ کو میری وہ تنقید نہیں بتائی جاتی جو میں نے لندن کے ایک ہال میں تقریر کرتے ہوئے کی تھی، میں نے سامعین سے کہا تھا کہ یک زوجگی کے ساتھ وسیع پیمانہ پر زنان بازاری کی موجودگی ''نفاق'' (Hypocrisy) ہے اور محدود تعددِ ازدواج سے زیادہ ذلّت آمیز، قدرتی طور پر اس قسم کے بیانات کا لوگ بُرا مانتے ہیں؛ لیکن اسے بتلانا ضروری ہے؛ کیوں کہ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عورتوں کے متعلق

اسلام کے قوانین ابھی حالیہ زمانہ تک انگلینڈ میں اپنائے جارہے تھے، یہ سب سے منصفانہ قانون تھا..... جو دنیا میں پایا جاتا تھا، جائداد، وراثت کے حقوق اور طلاق کے معاملات میں یہ مغرب سے کہیں آگے تھا، اور عورتوں کے حقوق کا محافظ تھا، یک زوجگی اور تعددِ ازدواج کے الفاظ نے لوگوں کو مسحور کردیا ہے، اور وہ مغرب میں عورت کی اس ذلّت پر نظر نہیں ڈالنا چاہتے، جسے اس کے اوّلین محافظ سڑکوں پر صرف اِس لیے پھینک دیتے ہیں کہ اس سے ان کا دل بھر جاتا ہے اور وہ پھر ان کی کوئی مدد نہیں کرتا''۔

(N. L. Coulsen) لکھتے ہیں:

''بلاشبہ عورتوں کی حیثیت کے معاملہ میں خاص طور پر شادی شدہ عورتوں کے معاملہ میں قرآنی قوانین افضلیت کا مقام رکھتے ہیں، نکاح اور طلاق کے قوانین کثیر تعداد میں ہیں، جن کا عمومی مقصد عورتوں کی حیثیت میں بہتری لانا ہے، اور وہ عربوں کے قوانین میں انقلاب انگیز تبدیلی کے مظہر ہیں، اسے قانونی شخصیت عطا کی گئی جو اسے پہلے کبھی حاصل نہیں تھی، طلاق کے قوانین میں قرآن نے سب سے بڑی تبدیلی جو کی ہے وہ عدت کو اس میں شامل کرنا ہے''۔

مذہب واخلاق کی انسائیکلو پیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''پیغمبر اسلام نے یقیناً عورت کا درجہ اُس سے زیادہ بلند کیا جو اُسے قدیم عرب میں حاصل تھا، خصوصی طور پر عورت متوفی شوہر کے ترکہ کا جانور نہیں رہی؛ بلکہ خود ترکہ پانے کی حقدار ہوگئی اور ایک آزاد فرد کی طرح اسے دوبارہ شادی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا تھا، طلاق کی حالت میں شوہر پر یہ واجب ہوگیا کہ وہ اسے وہ سب چیزیں دے دے جو اُسے شادی کے وقت ملی تھیں۔

اس کے علاوہ اعلیٰ طبقہ کی خواتین علوم اور شاعری میں دلچسپی لینے لگیں، اور کچھ

نے استاذ کی حیثیت سے بھی کام کیا، طبقۂ عوام کی عورتیں اپنے گھر کی مالکہ کی حیثیت سے اپنے خاوندوں کی خوشی اور غم میں شریک ہونے لگیں، ماں کی عزت کی جانے لگی''۔

پیدائشِ نَو اور انقلابِ عظیم:

قرآنی آیات اور نبوی تعلیمات کی روشنی میں عورت کے مقام کے بارے میں یہ نیا نقطۂ نظر گویا انسانی دنیا میں نوعِ نسواں کی نئی پیدائش کا حکم رکھتا تھا؛ کیوں کہ جیسے کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ عالمِ قدیم میں اس (عورت) میں اور پالتو حیوان یا کسی بے جان چیز میں کوئی فرق نہ تھا، وہ زندہ دفن کردی جاتی تھی، رہن رکھی جاتی یا کسی محل کی گُڑیا سمجھی جاتی تھی، اِس صورتِ حال میں یہ انقلابی تعلیمات تمدن واخلاق، خانگی اور ازدواجی زندگی میں ایک مبارک اتفاق کی حیثیت میں سامنے آئیں، جن کا کم وبیش سبھی ملکوں اور معاشروں نے استقبال کیا، خاص طور پر ان ملکوں نے جہاں اسلام فاتحانہ داخل ہوا یا اسے حکومت وانتظام کا موقع ملا، یا جہاں وہ ایک اصلاحی دعوت اور عملی نمونہ کے طور پر پہنچا، اسلام کے اس انسانی تحفے کی قدر و قیمت ان ملکوں میں بالکل ظاہر ہوئی، جہاں بیوائیں اپنے کو اپنے متوفی شوہروں کی چِتا میں جلا ڈالتی تھیں، اور نہ معاشرہ ان کو شوہروں کے بعد زندہ رہنے کا حق دیتا تھا اور نہ وہ خود اپنے کو اس کا حقدار سمجھتی تھیں۔

مسلمان بادشاہوں نے اپنے وقت میں بعض ہندوستانی رسم ورواج اور خاص طور پر ''سَتی'' کی رسم کی اِس طرح اصلاح کی کہ دینی عقائد اور ہندوستانی روایت کو نہ نقصان پہنچے اور نہ ان کی بے حرمتی ہو، اس سلسلہ میں مشہور فرانسیسی سیاح اور طبیب ڈاکٹر برنیر (Bernier) (جس نے شاہجہاں کے زمانے میں ہندوستان کی سیاحت کی تھی) لکھتا ہے:

''آج کل پہلے کی نسبت ستی کی تعداد کم ہوگئی ہے؛ کیوں کہ مسلمان جو اس ملک کے فرماں رَوا ہیں، اِس وحشیانہ رسم کے نیست ونابود کرنے میں

حتی المقدور کوشش کرتے ہیں، اور اگر چہ اس کے امتناع کے واسطے کوئی قانون مقرر کیا ہوا نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کی پالیسی (تدبیر مملکت) کا یہ ایک جزو ہے کہ ہندوؤں کی خصوصیات میں جن کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے، دست اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتے؛ بلکہ ان کی مذہبی رسوم کے بجالانے میں ان کو آزادی دیتے ہیں؛ لیکن تاہم سَتی کی رسم کو بعض اپچ پیچ کے طریقوں سے روکتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ کوئی عورت بغیر اجازت اپنے صوبہ کے حاکم کے سَتی نہیں ہوسکتی، اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا جب تک کہ قطعی طور پر اُس کو یقین نہیں ہوجاتا کہ وہ اپنے ارادہ سے ہرگز باز نہیں آئے گی، صوبہ دار بیوہ کو بحث ومباحثے سے سمجھاتا ہے، اور بہت سے وعدے وعید کرتا ہے اور اگر اس کی فہمائش اور تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں تو کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اپنی محل سرا میں بھیج دیتا ہے؛ تاکہ بیگمات بھی اس کو اپنے طور پر سمجھائیں۔

مگر باوجود ان سب اُمور کے سَتی کی تعداد اب بھی بہت ہے، خصوصاً ان راجاؤں کے علاقوں اور علم برداریوں میں جہاں کوئی مسلمان صوبہ دار متعین نہیں ہے''۔

خاتونِ حرم اقبال کی نظر میں:

موجودہ زمانے کے مشہور شاعر اور فلسفی ڈاکٹر محمد اقبال نے ایک ایسے زمانہ میں تعلیم وتربیت حاصل کی جب عورت آزادی وترقی کے بہت اُونچے زینے پر پہونچ چکی تھی، مغرب نے مَرد وعورت کی مساوات اور عورت کی آزادی وبے پردگی کا صُور اتنے زور وشور سے پھونکا تھا کہ اس کے خلاف کوئی آواز سننے میں نہیں آسکتی تھی، اقبال نے اپنی تعلیمی زندگی کا خاصہ زمانہ یورپ میں گزارا، ان کی باقی زندگی ایک ایسے شہر اور ماحول میں گزری جو آزادیٔ نسواں اور مغرب کی تقلید کا شاید ہندوستان میں سب سے بڑا مرکز تھا، اس سب

کے باوجود مسلمان عورت کے بارے میں ان کے عقیدہ اور خیالات میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا؛ بلکہ مغربی ممالک کی زندگی کا انتشار اور وہاں انسانیت کی تباہی کے آثار دیکھ کر ان کا یہ عقیدہ اور زیادہ مضبوط ہوگیا کہ مسلمان عورت کے لیے زندگی کا بالکل الگ معیار ہے اور اس کو مغربی عورت کی تقلید سے پوری احتیاط کرنی چاہیے، ان کے نزدیک زندگی میں اس وقت تک استحکام اور نظم وانتظام نہیں پیدا ہوسکتا جب تک کہ عورت میں صحیح نسوانیت، عفت وطہارت اور شفقتِ مادری نہ ہو، جو قوم اس نکتہ سے واقف نہیں اس کا نظامِ زندگی ہمیشہ درہم برہم اور متزلزل رہے گا، وہ کہتے ہیں:

جہاں را محکمیٔ از مہارت است ❖ نہاد شاں امین ممکنات است
اگر ایں نکتہ را قومے نداند ❖ نظامِ کاروبارش بے ثبات است

وہ اپنی ساری ترقیوں اور بیداریوں، ایمانی ذوق اور دردوسوز کو اپنی والدہ کی تربیت اور ان کی پاک باطنی کا نتیجہ سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میرے اندر ایمان ومحبت کی جو ایک چنگاری ہے، جس کا علم وہنر سے کوئی بیر نہیں؛ بلکہ میل ہے، وہ میری پاک باطن ماں کی نگاہ کا فیض ہے، مجھے جو کچھ ملا اُن کی گود اور ان کی تربیت سے ملا، مدرسہ اور تعلیم گاہ (جس میں اقبال نے بڑی بڑی کتابیں پڑھیں اور عالم فاضل بن کر نکلے) نے نہ حقیقت بیں نگاہ دی نہ دردمند دل عطا کیا، خود کہتے ہیں کہ یہ دولت تو کالجوں اور یونیورسٹیوں سے ملتی ہی نہیں، یہاں سوائے قصہ کہانی کے کچھ نہیں، یہ دولت تو اگر خدا کسی کو ایمان والی ماں نصیب کرے تو اس کی آغوشِ تربیت سے ملتی ہے۔

مراد او ایں خرد پردر جنونے ❖ نگاہ مادر پاک اندرونے
ز مکتب چشم و دل نتواں گرفتن ❖ کہ مکتب، نیست جز سحر وفسونے

وہ مسلمان لڑکی کو خطاب کرکے کہتے ہیں کہ مغرب نے نوجوانوں کو متاثر کرنے اور اپنی طرف مائل کرنے کے جو طریقے سکھائے ہیں وہ ایک مسلمان لڑکی کو بالکل زیب نہیں دیتے، یہ ''سحر وساحری'' اور یہ ''دلبری اور کافری'' کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں، پھر

وہ مسلمان لڑکیوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تم کو اس آرائش وزیبائش کی ضرورت نہیں جو آج مغرب کی تقلید اور نقالی میں اسلامی ملکوں میں فیشن بن گئی ہے، تم کو اپنا دل ایسے حسن وجمال میں نہیں لگانا چاہیے، جو غازہ اور پاؤڈر کا احسان مند ہو، تمہارا حسن اور تمہاری عزت تمہاری پاک نگاہی میں ہے، جس کی کوئی بدنیت تاب نہیں لاسکتا اور جو عورت کا سب سے بڑا حسن وجمال ہے۔

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا ❖ مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمال غازہ پرورد ❖ بیاموز از نگہ غارت گری ہا

وہ کہتے ہیں کہ حسن اور دلوں کو جیتنے کے لیے بے نقابی شرط نہیں، عصرِ حاضر کے پاس کچھ نہیں؛ اِس لیے اس نے بے پردگی کو اپنا شعار بنایا اور اس نے محض چمک دمک اور رنگ وروشن میں اپنی نمائش کی۔ دیکھو! نورِ حق اور جمالِ الٰہی کتنے پردوں میں نہاں ہے، پھر بھی سارا عالم اس سے روشن اور درخشاں ہے، مسلمان عورت کو اپنے اندر ایسے صفات، کمالات اور حقیقی حسن وجمال پیدا کرنا چاہیے کہ وہ پردہ میں رہ کر دنیائے انسانیت کو بھی فیض پہنچا سکے۔

ضمیر عصر حاضر بے نقاب است ❖ کشادش در نمود ے رنگ وآب است
جہاں تابی زنور حق بیاموز ❖ کہ او باصد تجلی درجات است

اُن کا عقیدہ ہے کہ مسلمان عورت اگر اس کے اندر صحیح اسلامی صفات ہوں تو وہ انسانیت کی محسن اور انسان کی مربی ہے، خدا اُس کی حفاظت کرے گا اور انسانیت اس کی ہمیشہ محتاج رہے گی، قومیں آتی جاتی رہیں گی، تہذیبیں پھلتی پھولتی اور قوم توڑتی رہیں گی، ملک بستے اور اُجڑتے رہیں گے؛ لیکن مسلمان عورت انسانیت کا ایک ایسا درخت ہے، جس کو کبھی خزاں نہیں، وہ ایک نکتہ کی بات کہتے ہیں، وہ مسلمان عورت سے کہتے ہیں کہ تیری صحیح جگہ زندگی کا شور وہنگامہ نہیں، اگر تُو نے مرد کے دوش بدوش کھانے کمانے میں سرگرمی دکھائی تو تُو ملّت سے بے انصافی اور اپنے ساتھ ناانصافی کرے گی، تیرا فرض اور تیری سعادت تو

یہ ہے کہ تُو جگر گوشۂ رسول ﷺ زہرا بتول رضی اللہ عنہا کی طرح شوہر کے گھر کو آباد کر، اور اس کو اپنی توجہ اور دلچسپی کا مرکز بنا اور وہاں بیٹھ کر ایسے فرزند کی پرورش کر جو مسلمانوں کی مشکل آسان کرے اور ملّت پر قربان ہوجائے، آج اسلام کو حسن و حسین رضی اللہ عنہما جیسے فرزندوں کی ضرورت ہے اور یہ دولت مسلمان ماؤں ہی سے مل سکتی ہے۔

اگر پندے درویشے پزیری ❖ ہزار امت بیر و تو نہ میری
بتولےؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر ❖ کہ در آغوش شبیرےؓ بگیری

اقبال کا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کے دن بدلنے اور نئے دَور کے لانے میں مسلمان عورت بہت بڑا حصہ لے سکتی ہے، اللہ نے اس کو ایسا قوی ایمان، ایسا دردمند دل، ایسی پُرسوز آواز، ایسی پاک فطرت عطا فرمائی ہے کہ آج بھی مسلمان کے دل و دماغ میں وہ ایمان کی چنگاری روشن کرسکتی ہے، ان کو اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ نہیں بھولتا اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کو ہر مسلمان عورت یاد رکھے کہ ایک پاک باطن عورت کے قرآن پڑھنے نے اپنے زمانے کے مضبوط ترین انسان کے دل میں ہلچل پیدا کردی تھی اور انکے منکروں کو اسلام کے نُور اور ایمان کی حرارت سے بھر دیا تھا اور امتِ اسلامیہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا صاحبِ ایمان، صاحبِ عزم اور فاتحِ عالم عطا کیا، جس سے اسلام کی ترقی اور قوت کا ایک نیا دَور شروع ہوا اور رسول ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، یوں جاننے کو سب جانتے ہیں اور پڑھنے کو سب نے پڑھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شمشیر بکف اسلام کے خاتمہ کے لیے نکلے اور پہلے اپنی بہن فاطمہ بنتِ خطاب کے گھر گئے؛ تاکہ اپنے گھر سے اس کام کا آغاز کریں اور اپنی بہن اور بہنوئی کو اسلام قبول کرنے کی سزا دیں، تو ان کی بہن کے قرآن پڑھنے کی آواز نے ان کے دل کو موم کردیا اور اسلام ان کے دل میں اُتر گیا، اقبال چاہتے ہیں کہ مسلمان عورت درد و سوز اور تسخیر و تأثر کی اس قوت کو پہچانے اور اس سے پھر دنیا کے انقلاب کا کام لے، مسلمان عورت کو خطاب کرکے کہتے ہیں کہ خدا کے لیے ہماری شامِ غریبی کو پھر صبحِ امید سے بدل دے اور قرآن پھر اہلِ نظر کو پڑھ کر سنا، تجھے معلوم

ہے کہ تیری قرأت کے سوز نے عمر رضی اللہ عنہ کی تقدیر کو بدل دیا اور پھر اس سے دنیا کی تقدیر جس طرح بدلی، اس کو سارا عالم جانتا ہے۔

ز شام ما بروں آور سحر را ❖ بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را
تو می دانی کہ سوز قرأت تو ❖ دگر گوں کرد تقدیر عمرؓ را

عورت اقبال کے کلام میں:

جدید اُردو شاعری میں غالباً حالیؔ و اقبالؔ ہی دو ایسے شاعر ہیں، جن کے یہاں غزلوں میں صنفی آلودگی، عریانیت اور سطحیت نہیں ملتی؛ بلکہ اس کے برخلاف عورت کے مقام واحترام اور اس کی حیثیت عرفی کو بحال کرنے میں ان دونوں کا بڑا ہاتھ نظر آتا ہے۔

❑❖❑

مذہب اور اُس کی ضرورت

چند بنیادی سوالات

از:
مولانا مناظر احسن گیلانی قدس سرہٗ

(۱)

فطرتِ انسانی کے مطالبات:

ماضی کی تلاش، مستقبل کی فکر، بشری فطرت کی ایک قدرتی بے چینی ہے۔ جوں جوں انسانی دل ودماغ بلند وبیدار ہوتے جاتے ہیں ان سوالات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ ایک تنگ خیال، پست فطرت آدمی صرف اپنی ذات کے ماضی اور مستقبل کو سوچتا ہے، جو اس سے اونچا ہوتا ہے، وہ اپنے خاندان کو بھی اس خیال میں شریک کرلیتا ہے۔ اسی طرح جو ان سے بھی عالی طبع ہوتے ہیں وہ نہ صرف خاندان؛ بلکہ قوم ووطن کے متعلق بھی غور کرتے ہیں، حتیٰ کہ فطرتِ انسانی کی بلندی کا ایک نقطہ وہ بھی ہے جہاں ذات وخاندان اور قوم وجنس ہی نہیں؛ بلکہ خود اس عالم کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کائنات کا یہ دریائے ناپیدا کنار جس کے ایک گوشے میں آفتاب وماہ تاب تنکے کی طرح تیر رہے ہیں اور فطرت کا یہ بحر ذخار جس میں ہر آن اور ہر لحظہ کروڑوں ہستیاں اُگتی اور ڈوبتی رہتی ہیں، آخر اس کا نقطۂ آغاز اور ابتدائی سرچشمہ کیا ہے؟ اور گنبد گرداں کے ان چکروں کا آخری انجام کیا ہوگا؟ انسان جب تک انسان ہے جب تک اُس کے کاسۂ سر میں جانوروں کا مغز نہیں؛ بلکہ انسانی دماغ کی بلندی اور ذہنی وسعت باقی ہے، یہ سوالات بھی باقی رہیں گے اور ان کو باقی رہنا بھی چاہیے کہ اس جستجو کے بغیر انسانی زندگی کا ماضی ومستقبل بجز تاریکی

کے اور کچھ نہیں ہے۔ آخر جس کا ماضی بھی تاریک اور مستقبل بھی اندھیرے میں ہو کیا وہ کہہ سکتا ہے کہ مَیں روشنی میں ہوں؟ کہاں سے آرہا ہے کہاں جارہا ہے؟ جس مسافر کے لیے یہ دونوں باتیں مجہول ہوں اُس کے سفر کا انجام معلوم؟؟؟

﴿اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۲۲﴾ (سورۂ ملک، پارہ:۲۹)

''کیا جو اوندھے منہ جارہا ہے (نہ آگے کا حال اُسے معلوم نہ پیچھے کا) وہ سیدھی راہ پر ہے یا وہ جو کھڑا سیدھی راہ جارہا ہے؟''

خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ اور آئندہ کے متعلق جتنی بلندی سے سوال اٹھایا جائے گا اُسی نسبت سے تاریکی بھی گھٹے گی اور روشنی بڑھے گی۔

بہرحال! فطرت کے یہی دو مطالبے ہیں جو دراصل مذہب کے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں؛ لیکن ان کے سوا اور بھی چند سوالات ہیں جو قریب قریب ان ہی دو سوالوں کی طرح ہماری فطرت کی گہرائیوں سے اُبلتے رہتے ہیں اور مذہب کی تعمیر میں ان کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ اب ہم ترتیب کے ساتھ ان چند اہم سوالات کو ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

بنیادی سوالات:

(۱) عالم کا نقطۂ آغاز کیا ہے؟

(۲) اس کا آخری انجام کیا ہوگا؟

(۳) ہر چیز کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان کے کام آئے، پھر انسانی وجود کا کیا مقصد ہے؟

(۴) کیا زندگی کی موجودہ کش مکش سے نجات کی کوئی صورت نکل سکتی ہے؟

(۵) کیا بقائے دوام کی فطری خواہش مغالطی اور وہمی طور پر نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں پوری ہوسکتی ہے؟

(۶) علمی اور عملی طور پر ہم میں ہر شخص غیر محدود ہونے کی خواہش رکھتا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ جو چاہوں کروں اور جو چاہوں جانوں۔ کیا فطرتِ انسانی کا یہ مطالبہ اپنے مقصد کو پا سکتا ہے؟

یہی سوالات ہیں جن کے جواب کا نام مذہب ہے، یہی پیاس ہے جس کے پانی کی تعبیر ''دین'' سے کی جاتی ہے، یہی بھوک ہے جس کی خوراک صرف ''پیغمبروں'' کا پیغام ہے اور انہی سوالات کا حل کرنا مذہب کی اصل غرض و غایت ہے۔

مذہبی سوالات اور علومِ عقلیہ:

مذہب نے ان سوالات کو جن ذرائع سے حل کیا ہے اُس کے بتانے سے پیشتر یہ دیکھنا چاہیے کہ مذہب سے کنارہ کش ہو کر کیا صرف عقلی علوم کی رہنمائی میں ہم ان سوالوں کو حل کر سکتے ہیں؟ بحث کے لیے صرف اس سوال کو لو کہ عالم کا نقطۂ آغاز اور انجام کیا ہے؟ کیوں کہ اس کے حل ہو جانے کے بعد تقریباً دوسرے سوالات خود بہ خود حل ہو جاتے ہیں۔ اب آؤ اور عقلی علوم کی روشنی میں ان کا جواب ڈھونڈو۔

یوں تو عقلی علوم کی بہت سی شاخیں ہیں؛ لیکن اجمالی طور پر ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک کا نام سائنس ہے اور دوسرے کو فلسفہ کہتے ہیں۔

پہلے ہم سائنس کو لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس معاملے میں وہ ہماری کس حد تک مدد کر سکتی ہے؟

مذہبی سوالات اور سائنس کی حدِّ پرواز:

مذہب کے اس بنیادی سوال کو سائنس حل کر سکتی ہے یا نہیں؟ اس کے لیے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ سائنس کی حدِّ پرواز کیا ہے۔ علمائے سائنس نے اس علم کے حدود کو معین کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے:

سائنس کی بحث و تحقیق کا تعلق تمام تر فطرت (Nature) کے ان واقعات اور

مشاہدات سے ہے جو ہمارے زیرِ تجربہ آسکیں؛ لیکن جو چیزیں ہمارے احساس اور مشاہدے کے دائرے سے خارج ہیں سائنس کو ان کے اقرار و انکار سے کچھ بحث نہیں۔

ماہرینِ سائنس کا اعتراف:

پروفیسر لیتر جو فرانس کا مشہور ماہر سائنس داں ہے لکھتا ہے:

''کائنات کے آغاز و انجام تک مشاہدے کی رسائی نہیں ہے؛ اِس لیے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی ازلی یا ابدی وجود کا انکار کریں، جس طرح ہمارا کام یہ بھی نہیں ہے کہ ہم اس کو ثابت کریں۔ ہمارا کام نفی و اثبات دونوں سے الگ رہتا ہے''۔

پروفیسر ٹنڈل نے اس خیال کو ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش کی ہے:

''اگر تم گھڑی کو دیکھو اس میں گھنٹے، منٹ، سکنڈ کی سوئیاں نظر آئیں گی، یہ سوئیاں کیوں پھرتی ہیں اور ان کی حرکت کی باہمی نسبت جو ہمیں نظر آتی ہے کیوں کر قائم ہے؟ ان سوالات کا جواب بے گھڑی کے کھولے اور اُس کے مختلف پُرزوں کو اچھی طرح دیکھے اور ان کا دوسروں سے تعلق قائم کیے بغیر نہیں دیا جاسکتا ہے۔ جب یہ سب کچھ ہولیتا ہے تو ہم کو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ سوئیوں کی یہ خاص حرکت گھڑی کی اندرونی ساخت اور مشین کا نتیجہ ہے، جو کوک (وہ کوئلہ جس میں دھواں نہیں ہوتا، جس سے قدیم انداز کی گھڑیاں چلتی تھیں) کی قوت سے چل رہی ہے۔ سوئیوں کی یہ حرکت صنعتِ انسانی کا ایک کارنامہ ہے؛ لیکن بجنسہٖ یہی حال واقعات و حوادثِ فطری کا ہے۔ عالم کی اس مشین کے اندر بھی ایک مخفی مشین کارفرما ہے اور ایک خزانۂ قوت سے پردہ ہٹا کر یہ بتانا ہے کہ واقعات و حوادث ان ہی دونوں کے باہمی تعلق کا نتیجہ ہیں؛ لیکن کارخانۂ عالم کی یہ اندرونی مشین خود کیا ہے اور کیسے بنی اور اس گھڑی کو

کس نے کوکا اور اس کو چلانے والی قوت کہاں سے آئی؟ یہ سوالات ہیں جن کا جواب سائنس کے بس سے باہر ہے''۔

انسان کسی چیز کی تحقیق وایجاد پر قادر نہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ سائنس نہ تو قدرتی قوانین کو ایجاد کرتی ہے نہ ان قوانین کی تمام کڑیوں کو سلجھا کر ہمارے سامنے پیش کرسکتی ہے؛ بلکہ حوادث وواقعات کے محض ان حلقوں کو ترتیب کے ساتھ ہمیں بتانے کی کوشش کرتی ہے جو اس کے دائرۂ احساس ومشاہدے میں آجاتے ہیں۔ مثلاً وہ آگ میں جلانے کی خاصیت پیدا نہیں کرتی؛ بلکہ صرف یہ بتاتی ہے کہ تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ جلاتی ہے۔ وہ اسٹیم کو ایجاد (وجود بخشنا، تخلیق کردن) نہیں کرتی؛ بلکہ صرف اس حقیقت سے پردہ اُٹھادیتی ہے کہ جب آگ کا تعلق پانی سے ہوتا ہے تو یہ ایک قدرتی قانون ہے کہ وہ بھاپ بن جائے۔ بہرحال ہمارے سامنے جو کچھ قدرتی قوانین پھیلے ہوئے ہیں ہم ان کو بنا نہیں سکتے؛ بلکہ صرف جان سکتے ہیں اور سائنس اس پر اتنا اور اضافہ کرتی ہے کہ اسی حد تک جان سکتے ہیں جس حد تک مشاہدہ ہمارا ساتھ دے گا؛ لیکن یہ سوال کہ ان قوانین کا مقنن کون ہے؟ ان کا نقطۂ آغاز کیا ہے اور ان کا آخری انجام کیا ہوگا؟ سائنس کے حدود سے اس کا جواب خارج ہے۔

بکسلے نے سائنس کی اسی درماندگی کا اندازہ کرنے کے بعد بالکل سچ لکھا ہے کہ:

''وہ کسی چیز کی بھی کامل توجیہ نہیں کرسکتی۔ اس کے سارے اسباب اوّل سے آخر تک نہیں بتائے جاسکتے؛ کیوں کہ انسان کا اعلیٰ علم بھی توجیہ میں آغازِ اشیاء کی جانب چند قدم سے آگے نہیں بڑھ سکتا''۔

حکیم اور عامی میں فرق:

بہرحال! انسان کی انتہائی پرواز سائنس کے نقطۂ نظر سے صرف اس قدر ہے کہ کُل نہیں؛ بلکہ فطرت کے صرف ان قوانین کو وہ جان سکتا ہے جو اُس کی گرفت میں آجائیں۔

باقی رہا یہ سوال کہ جب صرف محسوس قوانین کی واقفیت تک عام انسانی پرواز ختم ہوجاتی ہے تو حکیم اور عامی میں کیا فرق رہا؟ تو بات یہ ہے کہ گو عامی کا علم بھی مشاہدات اور محسوسات ہی تک محدود رہتا ہے اور حکیم بھی اس دائرے کے آگے قدم نہیں رکھ سکتا؛ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ عامی آدمی کسی حادثے یا مظہر قدرت کو جب دیکھتا ہے تو وہ اس کے اثرات کو دُور تک نہیں لے جاسکتا۔ یعنی ایک جزئی واقعے سے کلیہ نہیں بنا سکتا اور حکیم ایک جزئی واقعے کو دیکھ کر چونکتا ہے اور یہ دیکھنا شروع کرتا ہے کہ آیا یہ واقعہ اسی جزیہ تک محدود ہے یا آگے بھی بڑھ سکتا ہے۔ پس اگر اس میں کچھ وسعت نظر آتی ہے تو چند جزئیات پر منطبق کرنے کے بعد اسی جزیہ کو وہ کلیہ کی شکل عطا کرتا ہے اور اسی کو قانون کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ مثلاً نیوٹن نے سیب کو گرتے ہوئے دیکھا۔ اِس طرح ہر شخص دیکھتا ہے؛ لیکن وہ چونکا کہ آخر کیوں گرتا ہے؟ اُس کو محسوس ہوا کہ زمین کی کشش کا نتیجہ ہے۔ اب اس کشش کی خاصیت کو اس نے دوسری چیزوں میں ڈھونڈنا شروع کیا، بالآخر اُس نے اعلان کیا کہ فضا میں جتنے کرّے تیر رہے ہیں وہ سب جذب وکشش ہی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ بہرحال نیوٹن نے فضائی کرّوں کی خاصیت کا ایک علم حاصل کیا؛ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ان کرّوں کا موجد تھا یا اس نے ان میں جذب وکشش کی خاصیت پیدا کردی تھی۔ جو قانون پہلے سے موجود تھا صرف اس کا علم اس نے حاصل کیا۔ اس سے زیادہ نہ اس نے کچھ کیا اور نہ کرسکتا تھا۔ وہ خود کہتا ہے:

> ''عالمِ فطرت کی یہ نیرنگیاں (جذب وکشش) واجب الوجود کے ارادے کے سوا کسی شئے سے ظاہر نہیں ہوسکتیں۔ وہ واجب الوجود جو ہر جگہ اور ہمیشہ موجود ہے''۔

اور یہی حال سائنس کے تمام مسائل اور اختراعات کا ہے۔ بھاپ سے کیتلی کے ڈھکنے کو اُٹھتے ہوئے سب ہی دیکھتے ہیں جس طرح اسٹی فن نے دیکھا؛ لیکن اسٹی فن نے اس جزئی مشاہد سے ایک کلیہ پیدا کیا اور اس کلیہ کو فطرت کے دوسرے قوانین مثلاً لوہے کی

لچک، پہیوں کی گردش، اسی قسم کے میکانکی قوانین کے علم کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ اس نے اپنے کسی پیدا کردہ قانون کو نہیں بلکہ قدرتی قوانین کو اس شکل میں نمایاں کیا ہے، جسے ہم ٹرین کہتے ہیں۔

الغرض صنعت وحرفت والے قدرتی قوانین کے جزئیات سے کلیات کا علم حاصل کرتے ہیں؛ لیکن کسی چیز کی ایجاد ''یعنی اس کو وجود بخشنا'' ایک غریب انسان کے بس کی بات نہیں۔ وہ فقط

﴿عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ (سورۂ بقرہ:۳۱)

''سکھایا اللہ نے آدم کو سارے اسما''۔

کے اجمال کی تفصیل کر سکتا ہے اور یہی اسے دیا بھی گیا ہے۔

سائنس اور مذہب کے حدود:

الحاصل جب سائنس کا سارا زور مشاہدات اور محسوسات پر ختم ہوجاتا ہے تو خود اندازہ کرو کہ جن سوالات پر مذہب کی بنیاد قائم ہے مثلاً عالم کا نقطۂ آغاز کیا ہے؟ جیسا کہ بکسلے نے کہا تھا کہ سائنس کا قدم آغازِ اشیاء کی جانب چند قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا، تو پھر آخری نقطے تک اس کی رسائی کیوں کر ہوسکتی ہے؟

پس سچ یہ ہے کہ سائنس جہاں اپنی تحقیقات ختم کر دیتی ہے مذہب وہیں سے اپنا درس شروع کرتا ہے، سائنس صرف عالمِ شہادت ''عالمِ محسوس'' کے چند واقعات محسوسہ کو کلیات کی شکل میں پیش کر کے اپنے بازو ڈال دیتی ہے، محسوسات کے آگے قدم رکھتے ہی اس پر رعشہ طاری ہوجاتا ہے۔ وہ کچھ نہیں کہہ سکتی کہ آگے کیا ہے؟ اور مذہب انسان کا یہیں سے ہاتھ پکڑتا ہے اور غیب (عالمِ غیر محسوس) کے سارے اسرار کو اس کے سامنے بے نقاب کرتا چلا جاتا ہے۔ سائنس کچھ نہیں بتا سکتی کہ دنیا کی ابتدا کیوں کر ہوئی۔ مذہب آتا ہے اور اس حقیقت سے پردہ اٹھا دیتا ہے۔ انسان مرنے کے بعد کہاں جاتا ہے اور

اس پر کیا گزرتی ہے؟ سائنس اس کے جواب سے عاجز ہے اور مذہب اس کی تفصیل پیش کرتا ہے۔ دنیا کا آخری انجام کیا ہوگا؟ سائنس متحیر ہے کہ اس کا کیا جواب دے؟ مذہب آتا ہے اور اس حیرت کو مٹا دیتا ہے۔

سائنس یہ تو بتاتی ہے کہ عالم کس کے لیے ہے؛ لیکن خود انسان کس لیے ہے اِس مقصد کو متعین کرنے سے وہ عاجز ہے۔ مذہب آتا ہے اور اس مسئلے کو بھی صاف کر دیتا ہے۔ الغرض مذہب کا جس عالم سے تعلق ہے سائنس کی ہدایت کا چراغ اُس کے حدود تک پہنچتے ہی گُل ہو جاتا ہے۔ میلن ایڈورڈ کہتا ہے اور سچ کہتا ہے کہ:

''عالم کے ان قوانین کے نسبت یہ کہنا کہ محض بخت واتفاق کے نتائج ہیں، یہ فرضی احتمالات اور عقلی گم راہیاں ہیں، جسے لوگوں نے محسوسات کا لقب دے رکھا ہے۔ فزیکل سائنس جاننے والا ہرگز اس قسم کا دعویٰ نہیں کرسکتا''۔

(الکلام، مولانا شبلیؒ)

اس کے بعد عوام الناس کا خیال کہ سائنس کی جدید تحقیقات نے مذہب کی بنیادیں ہلا دیں ہیں، جیسا کہ گینز و نے غایتِ گستاخی کے ساتھ لکھا ہے کہ:

''ہم نے خدا کی عارضی خدمات کا شکریہ ادا کر کے اس کو سرحد پار پہنچا دیا''۔

نعوذ باللہ تعالیٰ کس درجہ جاہلانہ اور مضحکہ خیز ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ:

''اگر خشکی کی ٹرین سمندر کے جہاز سے ٹکرا سکتی ہے تو سائنس بھی مذہب سے ٹکرا سکتی ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ جب دونوں کے حدود جدا جدا ہیں، ایک کی تگ و دو محسوسات کے تنگ دائرے تک محدود ہے اور دوسرا غیبی فضا کا شہباز ہے، تو ان دونوں میں تصادم کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سچ فرماتے ہیں:

عاقلاں نقطۂ پرکار وجود اند ولے
عشق داند کہ دریں بادیہ سرگرداند

خلاصہ یہ ہے کہ سائنس اور مذہب بالکل دوجداگانہ چیزیں ہیں، نہ ان دونوں میں اختلاف ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ ہم سائنس کے ذریعے آسمان کے تاروں کو گن سکتے ہیں، آفتاب کو ناپ سکتے ہیں، ہَوا کو تول سکتے ہیں، سمندر کو خشک کرکے بادل بنا کر پانی برسا سکتے ہیں؛ بلکہ ممکن ہے کہ آئندہ مُردوں کو زندہ کرنے کی تدبیر بھی معلوم ہوجائے، جیسا کہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ''احیائے موتی'' (مُردے کو زندہ کردینے) پر بھی آدمی قادر ہوجائے گا؛ بلکہ زندہ کرے گا۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو یوں بھی ادا کرسکتے ہیں کہ:

''انسان زندگی کے قانون سے بھی واقف ہوجائے گا''۔

اور سائنس والوں کا بھی بیان ہے کہ ہم نے ''تخم حیات'' (پروٹو پلازم) کا پتا چلالیا ہے، کیمیا والے کہتے ہیں کہ تخم حیات کاربن، آکسیجن، نائٹروجن کی باہمی ترکیب سے تیار ہوتا ہے، تو سائنس یہ سب کچھ کرسکتی ہے اور ہم منتظر ہیں کہ وہ ایسا کرے، کیوں کہ ہمارے بہت سے ایمانی دعوؤں کی توثیق انھیں انکشافات پر موقوف ہے؛ لیکن بہ ایں ہمہ مذہبی سوالات کے حل میں سائنس اسی طرح عاجز رہے گی جس طرح پہلے تھی اور اس وقت تک ہے۔ فرض کیجیے کہ کیمیائی عناصر کی ترکیب سے ہم نے زندگی کو پیدا کر بھی لیا تو اس سے یہ مسئلہ کہاں حل ہوا کہ ان عناصر کی ترکیب سے زندگی کیوں پیدا ہوجاتی ہے؟ ٹھیک اس کی مثال ایسی ہے کہ زندگی کا راز کسی زمانے میں یوں حل کیا گیا تھا کہ نَر و مادہ کے باہمی اختلاط کا یہ نتیجہ ہے؛ لیکن اس وقت بھی یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس اختلاط سے یہ نتیجہ کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اب بھی یہ سوال اسی طرح باقی رہے گا کہ کاربن، آکسیجن، ہائیڈروجن، نائٹروجن کی باہمی ترکیب سے زندگی کیوں پیدا ہوجاتی ہے؟ کیا جو شخص اس سے واقف ہے کہ تخم کو مٹی میں ملانے اور پانی دینے سے پودا پیدا ہوجاتا ہے، کیا اس نے اس سوال کو حل کرلیا کہ پودا کیوں کر پیدا ہوتا ہے؟ پروفیسر ٹنڈل نے بلفاسٹ کے لیکچر میں ایک موقع پر کتنی اچھی بات کہی کہ:

''لیکن کیوں؟ اس کا جواب ہمیشہ کے لیے اسی طرح ناممکن رہے گا جس طرح

کہہ رہا ہے''۔

امجد حیدرآبادی نے بھی اس مضمون کو ایک شعر میں ادا کیا ہے ؎

امجدؔ ہر بات میں کہاں تک کیوں کیوں
ہر کیوں کی ہے انتہا خدا کی مرضی

الحاصل! کسی شئے کے آغاز کا پتا چلانا اور اس کے آخری انجام تک پہنچنا سائنس کی رہنمائی میں ناممکن ہے۔ چند قدم چل کر اس کو اپنی نارسائی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ علی الخصوص جب حواس اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

اور یہی حال انجام کا ہے۔ آئندہ کیا ہوگا؟ موجودہ قوانین کا آئندہ کیا حال ہوگا؟ ان کے آثار و نتائج کیا ہوں گے؟ اس کا بھی کوئی قطعی جواب سائنس نہیں دے سکتی۔ وہی بکسلے جس نے آغاز کے متعلق انسان کے جاہل ہونے کا اقرار کیا تھا اب انجام کے متعلق بھی اسی اعتراف کا اظہار اِن الفاظ میں کرتا ہے:

''عالم تو بڑی چیز ہے، سائنس کا معمولی قانون یہ ہے کہ جو پتھر بے سہارا ہوگا اُس کو زمین پر گر پڑنا چاہیے؛ لیکن ہمیشہ کیا یہی ضرور ہوگا؟''

اس کے نزدیک یہ قانونِ قدرت نہیں؛ بلکہ انسان کا وہمی اضافہ ہے۔ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

''وہ ڈراؤنا لزوم اور ضروری ہونے کا قانون کیا ہے جس نے لوگوں کو اس قدر خائف اور وحشت زدہ بنا رکھا ہے؟ سچ پوچھو تو یہ ہمارے واہمہ کا ایک گھڑا ہوا بھوت ہے۔ سائنس ہی کا یہ قانون ہے کہ پتھر جب بے سہارا ہوگا تو اس کو زمین پر گر پڑنا چاہیے؛ لیکن آئندہ وہ ہمیشہ گر ہی پڑے گا یعنی اس کے خلاف ہونا ناممکن ہے، یہ ایک ایسی زائد شے کا اضافہ ہے جس کا نہ تو مشاہدہ اور واقعات میں نشان ملتا ہے اور نہ کہیں اور سے اس کا پتا چلتا ہے''۔

(ماخوذ از فزیکل بلیس آف لائف)

یعنی یہ ایسا حکم ہے جس کی شہادت ہمارے حواس نہیں دیتے۔ سائنس کی یہ رائے تو انجام کے متعلق تھی۔ رہا آغاز! اس کے متعلق میں نے چند اقوال پہلے بھی درج کیے ہیں؛ لیکن آخر میں بکسلے ہی کے قول کو پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ وہ اپنی کتاب ''اُصول ونتائج'' میں لکھتا ہے:

''وجود کی علّت اولیٰ کا مسئلہ میرے حقیر قویٰ کی دسترس سے باہر ہے۔ جتنی لایعنی ہرزہ سرائیوں کے پڑھنے کا مجھے موقع ملا ان میں سب سے بدتر ان لوگوں کے دلائل ہوتے ہیں جو آغازِ عالم کے متعلق موشگافیاں کرتے ہیں؛ مگر ان لوگوں کے مہملات ان سے بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں جو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں ہے''۔

سلطان ٹیپو شہید کی مذہبی اور مسلکی رواداری

ازقلم:
حافظ نجیب احمد بانیکا راستاذِ جامعہ

مغربی مؤرخین اور خود ہندوستان کے بعض متعصب ہندو مصنّفین کی طرف سے بھی سلطان ٹیپو پر عام طور پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ انتہائی متعصب تھا، اس نے اپنی حکمرانی کے دَوران ہندوؤں اور عیسائیوں پر ظلم کیا، مندروں کو ڈھا کر اس کی جائیدادیں ضبط کیں، غیر مسلموں کا اجتماعی ختنہ کروایا اور جبراً بے شمار لوگوں کو مسلمان بنایا؛ چناں چہ مشہور انگریز مؤرخ لیون بی بورنگ سلطان کے مذہبی جوش سے متعلق اپنے نوٹس میں لکھتا ہے کہ وہ تعصب کے اعتبار سے نادرشاہ، محمود غزنوی اور علاؤالدین خلجی کا ہم پایہ تھا، ان سب کی شہرت اس لیے ہے کہ ان کے حکم سے بے شمار مشرکین قتل کیے گئے، کرکے پیٹرک نے اس کو نارَوادار قرار دیا ہے، ولکس تاریخ میسور میں اس کو کٹر متعصب کہتا ہے۔

ان الزامات کا حقیقت سے کتنا تعلق ہے، اس کے لیے صرف ایک مثال کافی ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ ٹیپو کو بدنام کرنے کے لیے ان لوگوں نے کس حد تک تکذیب ومبالغہ آرائی اور علمی خیانت سے کام لیا ہے، ایک انگریز مؤرخ نے لکھا ہے کہ سلطان نے صرف کورگ شہر میں ۷۰ ہزار لوگوں کو مسلمان بنایا تھا؛ حالاں کہ تاریخ میسور کا ایک معمولی طالبِ علم بھی اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ عہد ٹیپو میں کورگ کی جملہ آبادی ۲۵،۳۰ ہزار سے زیادہ نہیں تھی، اس میں بھی کئی ہزار مسلمان اور عیسائی شامل تھے، خود ایک ہندو مؤرخ رام چندراؤ پنکنوری کا کہنا ہے کہ کورگ پر سلطان کے قبضے کے بعد وہاں کے صرف پانچ سو لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا، وہ بھی اس وقت جب ان ہندوؤں کو جو ہندو مت کی نسلی تفریق سے تنگ آکر عیسائیت قبول کرنے والے تھے، اس نے یہ حکم دیا

کہ وہ اپنا آبائی مذہب بالکل نہ چھوڑیں، اگر ان کو کسی وجہ سے اس پر اصرار ہی ہے تو اپنے بادشاہ کا مذہب یعنی اسلام اختیار کریں؛ چناں چہ اس موقع پر سریندر ناتھ سین نے سلطان کو یہ کہہ کر بچانے کی کوشش کی کہ وہ متعصب تو نہیں تھا؛ البتہ جبراً اس نے لوگوں کو جو مسلمان بنایا، اس کا مقصد مذہبی نہیں سیاسی تھا اور اس کی پشت پر سیاسی محرکات کارفرما تھے، مہاتما گاندھی نے بھی سلطان پر لگائے جانے والے اس الزام کو صاف جھوٹ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ٹیپو کے اپنی ہندو رعایا کے ساتھ تعلقات نہایت ہی دوستانہ تھے اور وہ ہندو مسلم اتحاد کا محرک تھا۔

یہ بات اگرچہ صحیح ہے کہ سلطان نے بعض ہندوؤں کے ساتھ سختی کی، مثلاً کرشنا راؤ اور ان کے بھائیوں کو پھانسی کی سزا دی اور بعض دوسرے لوگوں کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا؛ لیکن یہ سزائیں ان کو ہندو ہونے کی وجہ سے نہیں دی گئیں؛ بلکہ اس کا سبب ان کی نمک حرامی وغداری تھی، اس طرح کا انتقام اس نے خود بعض مسلمانوں سے بھی لیا، مثلاً انگریز سپاہیوں کے ساتھ زنا کرنے کی وجہ سے بعض مسلم خواتین کو قتل کر دیا، محمد قاسم کو غداری کی وجہ سے موت کے گھاٹ اُتار دیا، عثمان خان کشمیری کو پھانسی کی سزا دی، تو کیا کوئی مسلمانوں میں سے سلطان کی سختی کی وجہ سے یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ وہ خدانخواستہ اسلام دشمن بھی تھے؛ جہاں ایک طرف ہندو، مرہٹوں اور راجہ ٹراونکور سے ان کی جنگیں ہوئیں، تو دوسری طرف مسلم حکمرانوں سے بھی ان کی کئی معرکہ آرائیاں ہوئیں، مذہبی تعصب وتشدد کا الزام ان پر اس وقت صحیح ہوتا جب وہ غداری وبغاوت کی سزا میں مسلمانوں کو تو معاف کر دیتے اور ہندوؤں وعیسائیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیتے، ذیل میں سلطان کی مذہبی رواداری کی بعض ایسی مثالیں بھی ہم پیش کر رہے ہیں جس کے سلسلے میں اسلامی نقطۂ نظر سے بحیثیت ایک مسلم حکمران کے سلطان ٹیپو کے لیے اس کے جواز پر بحث بھی کی جاسکتی ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ مذہبی رواداری میں بعض مواقع پر اسلامی حدود سے بھی آگے بڑھ گئے تھے۔

اعلیٰ مناصب پر ہندو افسران:

ہندو برہمن پورنیا سلطان کی شہادت تک پوری سلطنتِ خداداد کا وزیرخزانہ اور اختیارات کے اعتبار سے وزیراعظم میر صادق کے بعد سلطان کا نائب دوم تھا، لالہ مہتاب رائے سبق جو ہندو برہمن تھا، سلطان کا ذاتی منشی اور خاص معتمد تھا، یہ اُردو و فارسی کا قادر الکلام شاعر بھی تھا، ہمیشہ سلطان کے ساتھ ہی رہتا؛ حتیٰ کہ میدانِ جنگ میں بھی شاہی کیمپ ہی میں اس کا قیام ہوتا، فارسی میں بادشاہوں کے نام ٹیپو کی طرف سے لکھے جانے والے اکثر خطوط یہی تیار کرتا تھا، شاہِ ایران کے نام سلطان کے طویل فارسی مراسلے کا مسوّدہ بھی اسی نے تیار کیا تھا، اس نے سلطان کی مدح میں بعض قصیدے بھی کہے تھے، سلطان کے ہندو معتمدین میں سے جو چند لوگ آخر تک اس کے وفادار رہے، اُس میں یہ بھی تھا، اس کے علاوہ ہری سنگھ میسور کی سوار فوج کا افسر اعلیٰ تھا، اس کا بھائی نرسنگاراؤ بھی حکومت کا ایک اعلیٰ عہدیدار تھا، کورگ کا رکار وجدار ایک برہمن تھا، سری نواس راؤ اور اپاجی رام کو عام طور پر ٹیپو اپنا نمائندہ بنا کر سفارتی مشن پر بھیجتے تھے، راماراؤ ایک سوار دستے کا کمانڈر تھا، ملیبار میں نائروں کی بغاوت کو کچلنے کے لیے سلطان نے سری پت راؤ ہی کو بھیجا تھا۔

ایک دوسرے مرہٹہ سردار سیواجی کی کمان میں تین ہزار سپاہیوں کی ایک مستقل فوج بھی رہتی تھی، سلطان کے دربار میں سرکاری خطوط لکھنے والے کئی منشیوں میں ایک منشی ہندو نرسیا بھی تھا، دیہاتوں کی پنچایتوں میں اکثر سرکاری نمائندگی ہندو ہی کرتے تھے، کیرالا میں ساگوان کی لکڑی کی کٹائی کا ٹھیکہ پہلے ایک ماپلہ مسلمان کو دیا گیا تھا، بعد میں یہ ٹھیکہ اس کی جگہ ایک برہمن کو دیا گیا، ہندوؤں کے مذہبی تہوار ''دسہرا'' میں سلطان اپنے تمام اعلیٰ افسران کے ساتھ نہ صرف شریک ہوتا؛ بلکہ حکومت کے خزانے سے اس کے اخراجات کے لیے ایک بڑی رقم بھی فراہم کرتا تھا، ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ

بلاتفریق مذہب ان کو مسلمانوں کی طرح اپنی غیر مسلم رعایا پر بھی اعتماد تھا؛ اِسی لیے حکومت کے اعلیٰ مناصب وعہدوں پر ہندو بھی فائز تھے، تمام غیر مسلموں کو بغیر کسی دباؤ کے اپنے مذہب پر عمل کی مکمل آزادی حاصل تھی۔ایک دفعہ ایک شخص نے پورنیا کی بدنیتی کا ذکر کر کے پورے ہندو برہمن طبقے کو غدار کہا،تو سلطان نے یہ آیت پڑھی:﴿لَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ کہ کسی ایک کی غلطی سے اُس کی پوری قوم کو ملامت نہ کیا جائے۔

شاہی محل کے قریب مندر:

بچپن میں ایک درویش کی طرف سے اس کے حق میں کی گئی پیشین گوئی کے پورا ہونے کے بعد جب سلطان تختِ میسور کے وارث بنے تو انھوں نے اس درویش سے کیے گئے اپنے وعدے کے مطابق اپنے محل کے قریب مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیا؛ چوں کہ محل کے قریب سری رنگ ناتھ کا مندر پہلے سے موجود تھا؛ اِس لیے اسی سے متصل مسجد کی تعمیر کے لیے اس نے سب سے پہلے ہندو سوامیوں اور عوام سے اس کی اجازت حاصل کی، ان کی مرضی کے بغیر اس جگہ مسجد کی تعمیر کو وہ صحیح نہیں سمجھتا تھا، ان سے اجازت ملنے کے بعد اس نے اس جگہ مسجد اعلیٰ کی بنا رکھی، اگر وہ چاہتا تو اپنی طاقت کے بَل بوتہ پر بادشاہ ہونے کی وجہ سے ان کی اجازت کے بغیر ہی اس جگہ بنا سکتا تھا، مسجد اعلیٰ سے متصل رنگ ناتھ مندر کے علاوہ جو اس کے محل سے صرف ایک سوگز کے فاصلے پر تھا، قلعہ میں نرسمہا اور گنگا دھریسوا نام کے دو اور مندر موجود تھے، جہاں سے روزانہ صبح وشام گھنٹیوں کی آواز سلطان کے محل میں پہنچتی تھی؛ لیکن اس نے کبھی ان کے ان مذہبی اعمال کی ممانعت نہیں کی، خود بنگلور میں سلطان کے محل سے متصل بھی ایک مندر موجود تھا۔

مندروں کو جائیدادیں:

ڈاکٹر سی کے کریم کی کتاب "Kerala Under Tipu" کے حوالے سے محمد عبداللہ بنگلوری نے اپنی کتاب ''ٹیپو کے تذکرے مختلف اَدوار میں'' میں لکھا ہے کہ صرف

کیرالا کے جنوبی ضلع کے ایک تعلقہ کے ساتھ مندروں کو سلطان نے سرکاری خزانے سے سالانہ وظیفے جاری کیے تھے، گروگرویاریا کے مندر کو ہی چھ سو ایکڑ قابلِ کاشت زمین بطور انعام دی گئی تھی۔

ملیبار کے مندروں و برہمنوں کو جو زمینیں بغیر سرکاری لگان کے ٹیپو نے دی تھیں، اُس کی جو تفصیلات محبّ الحسن صاحب نے اپنی کتاب ''تاریخ ٹیپو سلطان'' میں نقل کی ہے، وہ کچھ اس طرح ہے:

(۱) کالی کٹ کے قصبہ امسوم کے تریکنٹیشو روٹا کوام کنعاؤ مندر کے لیے ۱۹۵/۱ یکڑ زمین۔
(۲) پونانی کے گورویاور مندر کے لیے ۵۰۴/۱ یکڑ زمین۔
(۳) چیلیم برا تعلقہ ارا ند کے مانور مندر کے لیے ۳۷/۱ یکڑ زمین۔
(۴) پونانی کے تروانچکسولم کے مندر کے لیے ۲۱۲/۱ یکڑ زمین۔
(۵) پونانی کے نمودری پد مندر کے لیے ۱۳۵/۱ یکڑ زمین۔

سلطنت کے وزیر خزانہ پورنیا کا خود کہنا تھا کہ سرکاری خزانے سے مندروں کو سالانہ ۱۹۳۹۵ پگوڈا کی مالی امداد دی جاتی تھی، جب کہ مساجد و مزاروں کے لیے یہ امداد اس سے بہت کم تھی۔

پشپا گیری کے سوامی کو گولا پلی کے مواضعات کی مال گزاری وصول کرنے کا حق دیا گیا، گانجی کوٹہ کے انجانیا سوامی مندر کے رام چار نامی شخص کو کڑپہ میں ایک بڑی جا گیر دی تھی، اس کے علاوہ ۱۷۹۴ء میں قلعہ بل کے ایک برہمن مہاراجہ ہری پا کو اس نے بطور انعام ایک ۔۔اراضی بھی دی تھی۔

ہندو رعایا کی سلطان سے عقیدت ومحبت:

مجموعی طور پر سلطان کی ہندو رعایا نے اس کے ساتھ محبت وعقیدت کا جو سلوک کیا، اس کی مثال ملک کے کسی دوسرے مسلم حکمران کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے، ہندوؤں کی

اکثریت نے آخری وقت تک سلطان کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا، ۴؍مئی ۱۷۹۹ء میں شہادت کے دن سلطان کی لاش کے آس پاس سینکڑوں ہندو خواتین کی لاشیں ملیں، جس میں بعض نوجوان لڑکیاں بھی پائی گئیں، خود انگریز افسران نے جب یہ ماجرا دیکھا تو ہندو رعایا کے دلوں میں بھی اپنے مسلم حکمران کے لیے عقیدت کے یہ جذبات دیکھ کر اُنھیں حیرت ہوئی، جب سلطان کا جنازہ اُٹھا تو راستے میں ہندو عورتیں ماتم کرتی ہوئی اپنے سروں پر مٹی ڈال رہی تھیں، محاصرہ دارالسلطنت پر کئی برہمنوں نے سلطان کی فتح کے لیے اپنی مذہبی رسومات کے مطابق دن بھر کا روزہ رکھا تھا، اگر سلطان کا سلوک ان ہندوؤں کے ساتھ اچھا نہیں ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں ہندو ایک مسلم حکمران کے لیے اپنی جانیں تک قربان کرتے، اگر اس کے خلاف عام ہندوؤں میں ناراضگی پائی جاتی تو انگریزوں یا مرہٹوں کے لیے اپنے مقاصد کے خاطر ہندو مذہب کے حوالے سے ان سب کو سلطان کے خلاف اجتماعی بغاوت کے لیے اُکسانا بہت آسان تھا؛ لیکن پوری سلطنتِ خداداد کی تاریخ میں اس قسم کا کوئی واقعہ کسی متعصب انگریز مؤرخ کی کتاب میں بھی نہیں پایا جاتا، یہی وجہ ہے کہ سلطان کے غداروں کی فہرست میں ہندوؤں کی تعداد سلطنت میں اکثریت میں ہونے کے باوجود ان کی آبادی کے تناسب سے مسلمانوں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔

❑❖❑

حضرت حزقیل علیہ السلام

از قلم:
محمد اُسید قریشی

قرآن اور حضرت حزقیل علیہ السلام:

قرآنِ عزیز میں حزقیل علیہ السلام نبی کا نام مذکور نہیں؛ لیکن سورۃ البقرہ میں بیان کردہ ایک واقعہ کے متعلق سلفِ صالحین سے جو روایات منقول ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس واقعہ کا تعلق حضرت حزقیل علیہ السلام کے ساتھ ہی ہے۔ قرآنِ عزیز میں اُس واقعہ کو اِس طرح بیان کیا گیا ہے:

کتبِ تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ روایت منقول ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک بہت بڑی جماعت سے جب اُن کے بادشاہ یا اُن کے پیغمبر حزقیل علیہ السلام نے یہ کہا: فلاں دشمن سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اعلاءِ کلمۃ الحق کا فرض ادا کرو، تو وہ اپنی جانوں کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے اور یقین کر کے کہ اب جہاد سے بچ کر موت سے محفوظ ہو گئے ہیں دُور ایک وادی میں مقیم ہو گئے، اللہ تعالیٰ کو اُن کی یہ حرکت ناگوار ہوئی اور اُس کے غضب نے اُن پر موت طاری کر دی اور وہ سب کے سب موت کی آغوش میں چلے گئے۔ ایک ہفتہ کے بعد اُن پر حضرت حزقیل علیہ السلام کا گزر ہوا، تو اُنہوں نے اُن کی اِس حالت پر افسوس کیا اور دعا مانگی کہ: الٰہ العالمین! اِن کو موت کے عذاب سے نجات دے؛ تاکہ اِن کی زندگی خود ان کے لیے اور دوسروں کے لیے عبرت و بصیرت بن جائے، پیغمبر کی دعا قبول ہوئی اور وہ زندہ ہو کر نمونۂ عبرت و بصیرت بنے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام سے متعلق حالات کے سلسلہ میں دو اہم نکات سامنے آتے ہیں: احیاءِ موتیٰ اور جہاد سے پہلوتہی، اِن دونوں نکات کی وضاحت کی جاتی ہے۔

احیاءِ موتیٰ:

جن حضرات نے ''معجزہ'' کی بحث سے استفادہ کرلیا ہے وہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے زمانہ میں احیاءِ موتیٰ کے متعلق کسی شک وشبہ یا غیر ضروری تاویلات کا شکار نہیں ہوں گے۔ یہ صحیح ہے کہ عالمِ دنیا میں عام قانون کے مطابق اگر چہ دوبارہ زندگی نہیں ملتی اور قیامت ہی کے دن لوگوں کو جمع کرنے کا واقعہ پیش آئے گا؛ لیکن اللہ کے قانون خاص کے پیشِ نظر کسی حکمت ومصلحت کی بنا پر ایسا ہونا عقلاً نہ صرف ممکن ہے؛ بلکہ واقع ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے زمانۂ جدید میں جدید روحانیت (Spiritualism) کے ماہرین کے نزدیک یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ روح، جسم سے الگ ایک مستقل مخلوق ہے اور جسم کے گل سڑ جانے اور اُس کی عنصری ترکیب کے مٹ جانے کے باوجود روح زندہ رہتی ہے؛ نیز یہ بھی امر معقول ہے کہ جس ہستی نے کسی شئے کو ترکیب دیا ہے وہ ترکیب کے بکھر جانے کے بعد دوبارہ اُس کو ترکیب دے سکتی ہے، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ حیات؛ روح اور بکھرے ہوئے اجزاء کی دوبارہ ترکیب کے معقول ہونے کے بعد احیاءِ موتیٰ کے متعلق کسی شک وشبہ میں پھنس کر غیر ضروری تاویلات کا سہارا لیا جائے۔

جہاد سے پہلوتہی:

جب انسان کا گمان واعتقاد اس یقین کو حاصل کرلے کہ خیر اور شر اور موت وحیات سب خالقِ کائنات کے قضاء وقدر کے ہاتھ ہے، تو پھر آنِ واحد کے لیے بھی اس کو خیال نہیں آتا کہ وہ اللہ کی مقررہ قدرت کے متعلق باور کرے کہ اس کا حیلہ اللہ کے فیصلے کو رَد کرسکتا ہے اور اگر ایک مقام پر اُس کی تقدیر نافذ ہے تو دوسرے مقام پر وہ اُس کے اثر سے آزاد رہ سکتا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں تقدیر کا یہ فلسفہ ہے کہ انسان اپنے اندر یقین پیدا کرلے کہ میرا فرض اللہ کے احکام کی تعمیل ہے۔ رہا یہ امر کہ اِس اداءِ تعمیل میں جان کا خوف یا مال کی تباہی

کا ڈر ہے، تو یہ میرے اپنے اختیار میں نہیں ہے، اگر قدرت کا ہاتھ جان و مال کی ہلاکت کا فوری فیصلہ کر چکا ہے تو دوسرے اسباب پیدا ہو کر عالمِ تکوین کے اس فیصلہ کو ضرور صادق کر دکھائیں گے۔ یہی یقین انسان کو شجاع اور بہادر بناتا اور جبن و نامردی سے دُور رکھتا ہے۔ اس کی نظر صرف اداءِ فرض پر جم جاتی ہے اور وہ تکوینی فیصلوں کو اپنی دسترس سے بالاتر سمجھ کر اُس سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

اسلام نے تقدیر کے یہ معنیٰ کبھی نہیں بتائے کہ ہاتھ پیر توڑ کر اور جدوجہد اور عمل کی زندگی کو چھوڑ کر غیبی مدد کے منتظر بیٹھے رہو اور اداءِ فرض کو یہ کہہ کر ترک کر دو کہ تکوینی فیصلہ کے مطابق جو کچھ ہونا ہوگا ہو کر رہے گا۔ دراصل یہ خیال جبن اور نامردی کی پیداوار ہے جو اداءِ فرض سے روکتا اور تن آسانی کی دعوت دے کر ذلّت کے حوالے کر دیا کرتا ہے؛ اِسی لیے شریعتِ محمدیہ (ﷺ) میں میدانِ جہاد سے فرار (شرک باللہ کے بعد) سب سے بڑا گناہ شمار ہوتا ہے اور حقیقتِ حال بھی یہی ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کے بعد جب کہ انسان اپنی جان و مال کو اُس کے سپرد کر دیتا ہے اور سپردگی ہی کا نام اسلام ہے تو پھر اُس کو ایک لمحہ کے لیے بھی یہ حق نہیں رہتا کہ وہ اس کے حکم کے خلاف جان کو بچانے کی فکر کرے، جبن و نامردی اسلام کے ساتھ جمع نہیں ہوتی اور راہِ حق میں شجاعت ہی اسلام کا طغرائے امتیاز ہے۔

❑❖❑

احوال وکوائفِ جامعہ

ازقلم:
مولانا فاروق صاحب مفتاحی

امتحان ششماہی ۱۴۴۵ھ کی تیاریاں

''جامعہ عربیہ کاشف العلوم اودگیر'' میں ۲۰/اگست ۲۰۲۳ء مطابق ۲/صفر المظفر ۱۴۴۵ھ کو دفتر اہتمام میں حضرت جانشین قطبِ دکن دمت برکاتہم کی صدارت میں شام ٹھیک چار بجے تا پانچ بجے امتحان ششماہی سے متعلق ایک اہم میٹنگ منعقد کی گئی، جس میں تواریخ امتحان ۷/۸/۹/ربیع الاوّل بروز ہفتہ، اتوار اور پیر مطابق ۲۳/۲۴/۲۵/ستمبر مقرر کی گئیں اور تعطیلاتِ ششماہی ۱۰/ربیع الاوّل تا ۲۰/ربیع الاوّل یعنی ۲۶/ستمبر سے ۶/اکتوبر تک ہوں گی اِس بات کا فیصلہ کیا گیا اور ۷/اکتوبر بروز ہفتہ سے بقیہ تعلیمی سال کا باضابطہ آغاز ہوجائے گا ان شاءاللہ تعالیٰ۔

امتحانِ ششماہی ساعتِ اولیٰ اور ثانیہ دونوں اوقات میں ہوگا، عربی درجات کے تمام امتحان تحریری ہوں گے، شعبۂ حفظ میں ''بہشتی ثمر'' حصہ اوّل اور دینیات میں انگلش، مراٹھی، ریاضی، پہاڑے اور حساب کا امتحان بھی تحریری ہوگا، باقی تمام امتحان تقریری ہوں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ مزید پیش رفت یہ ہوئی ہے کہ از ابتداء تا امتحانِ سالانہ تمام طلبہ کا حاضری ریکارڈ بذریعہ نتیجہ کارڈ سرپرستوں تک پہونچایا جائے گا، جس میں سالانہ نمبرات کے ساتھ ششماہی امتحانات کی کارکردگی بھی درج ہوگی؛ تاکہ سرپرست حضرات اپنے بچوں کی تعلیمی ترقی سے بخوبی واقف ہوسکیں۔

اجلاسِ دستار بندی

جامعہ کے قیام سے لے کر تا حال حفاظِ کرام کی دستار بندی اور جامعہ کی کارکردگی کے

اظہار کے لیے کوئی اجلاس منعقد نہیں کیا گیا؛ لیکن محبین ومعاونینِ جامعہ اور فارغینِ جامعہ کی جانب سے بصد اصرار کی بنیاد پر اِمسال جامعہ میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کیا جائے گا، جس میں ملک بھر سے موقر علماءِ عظام، جامعہ کے فارغین اور عوام الناس کی کثیر تعداد شرکت فرمائے گی۔ جلسۂ عام کی تاریخ اور اِس کا اعلان وقت سے پہلے آپ تمام قارئین تک پہونچا دیا جائے گا۔

آپ تمام حضرات سے درخواست ہے کہ اپنی مقبول دعاؤں میں جامعہ کی تعلیمی، تعمیری اور مقصد کی تکمیل کے لیے ایک حصہ شامل فرمالیں۔